قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۱۸

کراچی: ہفتہ ۔ ۴ ۔ جون ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنه
سالانه دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

فرقے مٹتے ھیں ما یوحیٰ کی اتباع سے ۔ سوال یه ھے که ما یوحیٰ کیا ھے؟ ما یوحیٰ کے معنی ھیں "جو کچھ خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے ملا ھے" ۔ وحی کے ذریعے کیا ملا ھے؟ اس کی بابت خدا نے اپنے رسول سے کہا که ان لوگوں سے کہدو که اوحی الی ھذا القران ۔ میری طرف یه قران وحی ھوا ھے ۔ لانذرکم به ۔ تاکه میں تمہیں اس قران کے ذریعے تمہاری غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردوں ۔ صرف تمہیں ھی نہیں جو اس وقت میرے مخاطب ھو بلکه ومن بلغ (۶/۱۹) ان سب کو بھی جن تک یه قران پہنچے ۔ یعنی

(۱) نبی اکرم کو خدا کی طرف سے صرف قران وحی کے ذریعے ملا تھا ۔

(۲) یه قران صرف انہیں کے لئے نہیں تھا جو حضور کے زمانے میں موجود تھے بلکه ھر زمانے کے لوگوں کے لئے جن تک یه پہنچے ما یوحیٰ ھے ۔

لہذه فرقے صرف اس صورت میں مٹ سکینگے که اطاعت خالص ما یوحیٰ (قران) کی کی جائے ۔

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱ تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳ حق و باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔

۴ حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن عجمی سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک ہی نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶ اس عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیتِ عامہ (یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸ ربوبیتِ عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرہ کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

ابتداءً پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفاتِ خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ خدا اور قیصر
★ وزیر اعظم سے خطاب
★ عرصه محشر
★ تاریخی شواھد
★ اسلام کی سرگزشت
★ عورت کا قران
★ مجلس اقبال
★ گفتگوئے خداوندی
★ وراثت و وصیت
★ باب المراسلات
★ عالم اسلامی
★ بین الاقوامی جائزه
★ بزم طلوع اسلام
★ اندرون ھند

اقبال اور قرآن

اقبال نے جو کچھ سمجھا قرآن سے سمجھا اور زبان شعر میں قرآنی پیغام لوگوں تک پہنچایا

قرآن کے حقائق کیا ھیں اور اقبال کا پیام کیا ہے؟ انکے جوابات پرویز صاحب کی تشریحات میں دیکھئے جو آپ کو اقبال اور قرآن میں ملینگی

صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

اسلامی نظام

قیمت -/-/۲ روپے

فردوس گم گشتہ

مفسر قرآن اور ترجمان اقبال جناب پرویز کے دلکش مضامین اور سحر آور تقاریر کا مجموعہ - نوجوان طبقہ کے لئے فکر و عمل کی نئی دعوت -

صفحات ۳۱۲ قیمت چھ روپے

اسباب زوال امت

قیمت -/۸/۱ روپیہ

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ، ۷ - کراچی - ۳

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ۴؍ جون ۱۹۵۵ء | نمبر ۱۸

خدا اور قیصر

رمضان المبارک کی انتیسویں تاریخ ہے۔ مطلع ابر آلود ہے۔ افطار کے بعد ہر شخص کی آنکھیں ایک خاص سمت کو اٹھ رہی ہیں کہ دیکھیں وہاں سے کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ کل عید ہو گی یا ایک اور روزہ رکھنا ہو گا۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ تذبذب کی وجہ سے سینوں میں دل دھڑک رہے ہیں۔ دوکاندار دکانوں پر سودے نہیں لگاتے کہ نہ معلوم کل کے متعلق کیا فیصلہ ہو۔ خریدار چیزیں نہیں خریدتے کہ پہلے کچھ فیصلہ ہو جائے تو پھر خریداری کی جائے۔ غرضیکہ ساری کی ساری قوم اس فیصلہ کے انتظار میں ہے۔

مملکت کا گورنر جنرل بھی انتظار میں ہے۔

وزیر اعظم بھی انتظار میں ہے۔

کابینہ کے وزراء بھی انتظار میں ہیں۔

آئین ساز حضرات بھی انتظار میں ہیں۔

عدالتوں کے جج انتظار میں ہیں۔

فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس بھی انتظار میں ہے۔

پولیس کا انسپکٹر جنرل انتظار میں ہے۔

فوج کا کمانڈر انچیف انتظار میں ہے۔

یہ سب انتظار میں ہیں کسی کے فیصلے کے! یقیناً یہ سوال پیدا ہو گا کہ یہ سب کے سب کس کے فیصلے کے انتظار میں ہیں؟ وہ کونسا مرکز ہے جس کی طرف مملکت کے کروڑوں انسانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ وہ کونسی اتھارٹی ہے جس کے پیشِ نظر یہ تمام ارباب اقتدار و اختیار دم بخود بیٹھے ونتب انتظار ہیں اور کوئی یارائے لب کشائی نہیں پاتا؟

یہ کروڑوں نگاہوں کا مرکز، یہ اتھارٹی اور اقتدار کا سب سے بڑا سرچشمہ، کراچی کی ایک بوسیدہ سی مسجد ہے جس میں دو تین مولوی صاحبان، بڑے عزو تمکنت سے بیٹھے یہ سوچ رہے ہیں کہ کل کے لئے عید کا فیصلہ کر دیا جائے یا ایک روزہ اور رکھا دیا جائے۔ اگر انہوں نے کہدیا کہ کل کو عید ہے تو کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ کل کا روزہ رکھ لے۔ اور اگر ان کا فیصلہ یہ ہوا کہ کل کا روزہ رکھنا ہو گا تو کسی کو اس کی ہمت نہیں ہو سکے گی کہ وہ عید کرلے۔ ان کے اس فیصلے کے خلاف نہ گورنر جنرل دم مار سکے گا نہ کمانڈر انچیف، نہ کوئی جج اس کے خلاف جا سکے گا نہ چیف جسٹس نہ سب کو اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہو گا۔ نہ ان میں سے کوئی، اس فیصلے سے پہلے، اس معاملہ میں دخل دے سکتا ہے۔ نہ فیصلہ صادر ہونے کے بعد اس کے خلاف کہیں اپیل ہو سکتی ہے: پوری کی پوری قوم پر ان کی حکومت ہے۔ حالانکہ قوم ان فیصلہ کرنے والوں کو جانتی خوب پہچانتی ہے۔ حتیٰ کہ جس وقت یہ لوگ ان کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے اُس وقت بھی ان کے متعلق آپس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود فیصلہ انہی کا ماننا تھا۔ نہ کسی اور کا۔ غور کیجئے کہ ان حضرات کی حکومت کتنے بڑے اقتدار و اختیار و اقتدار کی حکومت ہے۔

فیصلہ دینے کے بعد ان میں سے ایک صاحب اپنی گاڑی پر روانہ ہوئے۔ چوراہے پر پہنچے تھے کہ ٹریفک کے سپاہی نے سیٹی بجا کر روک لیا اور کہا کہ گاڑی کی بتیاں کیوں نہیں جلائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بتی تو جل رہی ہے۔ دونوں کی کیا ضرورت ہے۔ سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کہ بتیوں کا حکم چیف کمشنر صاحب کا دیا ہوا ہے۔ اس میں آپ کو مجالِ گفتگو نہیں۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے پرچہ کاٹ کر ان کے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا کہ کل دس بجے تیموری صاحب کی عدالت میں پیش ہونا ہو گا۔

کل عید ہو گی یا نہیں ہو گی —— اس کا فیصلہ مسجد کے مُلّا کریں گے۔

گاڑی کی بتیاں کس طرح جلائی جائیں گی —— اس کا فیصلہ چیف کمشنر صاحب کریں گے۔

ایک ہی مملکت میں ایک ہی شہر میں دو متوازی حکومتیں!!

٭٭٭

ایک اور منظر سامنے لائیے۔

پولوگراؤنڈ (کراچی) میں عید کی نماز کا اجتماع ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے۔ گورنر جنرل صاحب تشریف فرما ہیں۔ وزیر اعظم صاحب بھی دوزانو بیٹھے ہیں۔ کابینہ کے وزراء۔ چیف کمشنر، مجلس آئین ساز کے اراکین سب موجود ہیں۔ سندھ چیف کورٹ کے جج بھی۔ اور اتفاق سے فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس بھی۔ سب کسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ہر ایک آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا ہے لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتا۔ بالآخر ایک عبا و قبا میں ملبوس مولوی صاحب تشریف لاتے ہیں۔ انہیں آتا دیکھ کر بہت سی آنکھوں میں تحقیر کی ہنسی پھر جاتی ہے۔ بہت سے خندۂ زیرلبی سے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ وہ آکر محراب میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سب صف بستہ ان کے پیچھے خاموشی سے ایستادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جھکتے ہیں تو سب جھکتے ہیں وہ اٹھتے ہیں تو سب اٹھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ منبر پر تشریف لیجاتے ہیں اور جو جی میں آتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سنتے ہیں اور جی ہی جی میں ہنستے ہیں۔ کیونکہ ان کی باتوں میں سے اکثر ایسی ہیں جن پر انسان ہنس دے۔ لیکن انہیں علانیہ ہنسنے کی جرأت نہیں۔ جب تک ان کا جی چاہا انہوں نے انہیں باندھ کر بٹھائے رکھا کسی میں اتنا کہنے کی ہمت نہیں کہ وقت زیادہ ہو رہا ہے۔ ہمت اور جرأت کیسے ہو۔ یہاں ان کی حکومت ہے۔ یہاں انہی کے فیصلے چلیں گے۔ بہرحال، انہوں نے خطبہ ختم کیا۔ دعا مانگی۔ محفل برخاست ہوئی۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک طرف سے تیزی سے باہر نکلنے لگے تو سپاہی نے ڈانٹ دیا کہ دیکھتے نہیں کہ یہ رستہ حضور گورنر جنرل کے لئے مخصوص ہے۔ ادھر ہٹ کر چلو۔ یعنی تمہاری حکومت کا دائرہ اور تھا۔ اب تم کسی اور کی مملکت میں پہنچ گئے ہو!

ایک ہی میدان میں، پانچ منٹ کے اندر اندر حکومتیں بدل گئیں۔

٭٭٭٭

اور تیسرا منظر بھی۔

جناب وزیر اعظم کے صاحبزادہ کی شادی ہے گورنر جنرل صاحب تشریف فرما ہیں۔ وزراء سلطنت، اعمادِ مملکت، اراکین مجلس آئین ساز، بڑی بڑی عدالتوں کے جج۔ سب زیبِ محفل ہیں۔ دولھا مجلس میں ہے۔ دولھن اندر کمرے میں۔ سب کسی کے انتظار میں ہیں اور رہ رہ کر دروازے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ دیر ہوتی جا رہی ہے۔ چہ میگوئیاں سب کرتے ہیں لیکن سب بے بس سے ہیں۔ کافی انتظار کے بعد مولوی صاحب تشریف لاتے ہیں۔ سب تعظیم سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ (دولھا کے باپ) وزیر اعظم صاحب

کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اندر جایئے۔ وہاں یوں کیجئے اور یوں کیجئے۔ فلاں، فلاں کو ساتھ لے جایئے۔ گورنر جنرل صاحب! آپ اِدھر تشریف لایئے۔ چیف جسٹس صاحب! میں جو کچھ کہوں، آپ اس کے گواہ رہیئے۔ وہ سب تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔ اس کے بعد، وہ کچھ الفاظ کہتے ہیں۔ دولہا ان الفاظ کو دُہراتا ہے۔ ساری محفل ساکت و صامت بیٹھی ہے۔ پھر وہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ جتنا وقت جی چاہے دعاء میں لگا دیتے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان سے سبقت کر کے اپنی دعاء پہلے ختم کر لے۔ اس کے بعد وہ وزیر اعظم صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کے صاحبزادہ کا نکاح، احکام شریعت کے مطابق بحسن و خوبی تکمیل پا گیا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اس میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس نکاح کے متعلق ایک تنازعہ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی ان مولوی صاحب کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ معاملہ اس عدالت تک پہنچتا ہے جسے وزیر اعظم صاحب کی حکومت نے مقرر کر رکھا ہے۔ معاملہ ایسا ہے جس کے لئے پہلے سے واضح قانون موجود نہیں۔ لہٰذا ایک نیا قانون بنانے کے لئے اسے مجلس قانون ساز کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اِدھر یہ ہوتا ہے اور اُدھر سے مولوی صاحبان کی طرف سے آواز آتی ہے کہ نکاح طلاق کے بارے میں قانون بنانے والے تم کون ہوتے ہو؟ تمہیں یاد نہیں کہ یہ نکاح خود ہمارا پڑھایا ہوا ہے جب تم سب موجود تھے اور مولوی صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ جب تمہیں نکاح پڑھانے کا حق نہیں تھا تو اب نکاح کے متعلق قانون بنانے کا حق کس طرح حاصل ہو گیا۔ یہ ہمارے حدود اختیار کے معاملات ہیں جن میں تم دخل انداز نہیں ہو سکتے۔

غور کیجئے، کیا پاکستان کی آئین سازی کی ہشت سالہ تاریخ، اسی کشمکش و تنازع حدود و اختیارات ہی کی داستانِ الم انگیز نہیں؟ کیا یہاں آٹھ سال سے یہی نہیں ہو رہا کہ "قوم کے نمایندے" ایک آئین بناتے ہیں اور "خدا کے نمائندے" یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دیتے ہیں کہ تمہیں اس آئین سازی کا حق ہی حاصل نہیں۔ یہ مملکت اسلامی ہے۔ یہاں شریعت کا نظام نافذ ہوگا۔ اور نظام شریعت کے مطابق آئین و قوانین سازی کے حقدار ہم ہیں۔ تم نہیں ہو! "قوم کے نمایندے" کہتے ہیں کہ نہیں! اس کا ہمیں حق حاصل ہے۔ یہ کہتے ہیں اور ساتھ ہی عید کے چاند۔ نماز اور خطبہ اور اپنے اور اپنے بچوں کے نکاح کے لئے فیصلہ "خدا کے نمایندوں" سے طلب کرتے ہیں۔ بات بالکل صاف ہے۔ اگر رویت ہلال۔ خطبہ عید۔ اور نکاح خوانی میں فیصلہ کا حق مولوی کو حاصل ہے تو یقیناً قانون سازی کا حق بھی اسی کو حاصل ہونا چاہیئے۔ اور اگر قانون سازی کا حق اسے حاصل نہیں تو پھر ان امور میں فیصلوں کے لئے اس کی طرف کیوں رجوع کیا جاتا ہے؟ کہدیا جاتا ہے کہ یہ معاملات "شریعت" سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ارباب شریعت ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یہ ہے وہ اصلی نکتہ جس کی وضاحت کے لئے ہم نے اس قدر طویل تمہید اٹھائی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام میں امور شریعت اور امور دنیا دو الگ الگ شعبوں سے متعلق ہیں تو پھر ایک دفعہ بیٹھ کر اس کا فیصلہ کر لینا چاہیئے اور دونوں دوائر کی الگ الگ فہرستیں مرتب کر کے خدا کو خدا کی مملکت اور قیصر کو قیصر کی حکومت دے دینی چاہیئے۔

اور اگر یہ دوائر الگ الگ نہیں تو پھر اس شرک عملی کو ختم کرنا چاہیئے کہ رویت ہلال کا فیصلہ مسجد میں ہو اور عید کی تعطیل کا فیصلہ وزارت امور داخلہ میں۔ مقام اجتماع عید کا تعین چیف کمشنر کی طرف سے ہو اور عید کی نماز مُلّا جیون پڑھائیں۔ وزیر اعظم صاحب کا نکاح مولوی صاحب پڑھائیں اور نکاح کے متعلق قوانین کا اجراء وزیر اعظم صاحب فرمائیں۔

یاد رکھئے! ایک مملکت میں بیک وقت دو بادشاہ کبھی نہیں سما سکتے۔ جہاں ایسا ہوگا انارکی پھیل جائے گی۔ ماسکو میں قیصری قیصر ہے۔ وہ خدا کو اپنے ہاں آنے نہیں دیتے۔ ویٹیکن (پوپ کی مملکت میں) "خدا ہی خدا" ہے۔ وہ قیصر کو اس مملکت میں قدم نہیں رکھنے دیتے۔ انگلستان میں "خدا" کو گرجہ کی چار دیواری میں مقید کر دیا گیا ہے، اور اس سے باہر قیصر کی مملکت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی مملکت میں آ جا نہیں سکتے۔ لیکن ہم ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں "خدا اور قیصر" کی متوازی حکومت جاری ہے۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ (یعنی قرآن کے الفاظ میں) پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ فساد ہی فساد۔ کوئی چیز اپنے اصلی اور ٹھیک مقام پر نہیں۔ اور تماشا یہ کہ ہر منبر اور ہر اسٹیج سے یہ آواز بھی برابر بلند ہوتی رہتی ہے کہ اسلام میں مذہب اور سیاست دین اور دنیا، الگ الگ نہیں ہیں۔ ایسی "خالص منافقت" بھی دنیا میں شاید ہی کہیں اور دیکھنے میں آئی ہو۔ جب تک یہ دوعملی اور منافقت ختم نہیں کی جائے گی، آپ کا ایک قدم بھی تعمیری منزل کی طرف نہیں اٹھ سکے گا۔

قرآن کا فیصلہ اس باب میں بالکل واضح ہے۔ اس کی رو سے دین اور دنیا دو الگ شعبے نہیں ہیں۔ مملکت کا نظم و نسق، ہدایت خداوندی کی روشنی میں، تمام ملت کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اس میں نہ کوئی خدا کا الگ نمائندہ ہے نہ قیصر کا۔ جب نظم و نسق مملکت کے اس قرآنی تصور کے بجائے، ہمارے ہاں قیصر (سلاطین) پیدا ہو گئے تو ان کے ساتھ ہی خدائی نمایندے (ارباب شریعت) بھی معرض وجود میں آ گئے۔ لہٰذا اگر آپ نے قیصریت کو مٹانا ہے تو اس کے لئے مذہبی پیشوائیت کو ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک آپ کے ہاں قیصریت یا پیشوائیت کا ذرا عنصر بھی باقی ہے، مملکت کا نظم و نسق (قرآنی ہدایت کے مطابق) ملت کے سپرد کبھی نہیں ہو سکتا۔

لیکن پیشوائیت کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا ہے اس لئے اس کے حل کے لئے غور و فکر اور عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ مذہبی پیشوا (مولوی حضرات) کوئی ایسا ہنر نہیں جانتے جس سے وہ اپنی روٹی آپ کما کھائیں۔ تقسیم سے پہلے، پاکستانی علاقہ کی تمام مساجد آباد تھیں اور مذہبی مدرسوں کی اسامیاں بھی پُر تھیں۔ "یہاں سے جو غیر مسلم ہندوستان کی طرف چلے گئے وہ اور سب کچھ تو چھوڑ گئے" لیکن مسجدیں اور مذہبی مکتب تو چھوڑ کر نہیں گئے۔ اُدھر ہندوستان سے جس قدر مولوی صاحبان اِدھر آئے، وہ اپنے ساتھ مسجدیں اور مکتب لے کر نہیں آئے۔ اب سوچئے کہ جس ملک میں اس قسم کے بیکار لوگوں کا اتنا جم غفیر آ جائے اور ان کے لئے سینگ سمانے کی کوئی جگہ نہ ہو، وہ اپنی "خدائی نمائندگی" کے دعوے کو چھوڑ دیں تو روٹی کہاں سے کھائیں؟ یہ ہے یہاں کا اصل مسئلہ۔ جمعیت العلماء ہو یا مجلس احرار۔ جماعت اسلامی ہو یا نظام اسلام، سوال سب کے ہاں معاش کا ہے۔ لہٰذا جب تک قوم ان کے معاش کا انتظام نہیں کرے گی، یہ قوم کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تحفظ ذات (PRESERVATION OF SELF) تو حیوانی جبلت کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ

(۱) اس کا اعلان کر دیا جائے کہ اسلامی مملکت میں الگ مذہبی پیشواؤں کے وجود کی گنجائش نہیں۔

(۲) موجودہ مولوی صاحبان کے معاش کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا جائے۔

(۳) آئندہ کے لئے الگ مذہبی مدارس کو قانوناً بند کر دیا جائے۔

(۴) دین کی تعلیم، انہی مدرسوں اور کالجوں میں دی جائے جو آج محض دنیاوی تعلیم کے لئے جاری ہیں۔ اور

(۵) مملکت کا آئین، نمایندگان ملت کے باہمی مشورہ سے اس طرح مرتب کر لیا جائے کہ اس میں کوئی چیز قرآن کی مقرر کردہ حدود سے ٹکرائے نہیں۔

اگر پاکستان نے یہ کچھ کر لیا تو یہ نہ صرف زندہ رہ سکے گا بلکہ پائندہ سے پائندہ تر ہوتا چلا جائے گا۔ اگر ایسا نہ کیا اور موجودہ دوعملی اسی طرح سے رہی تو یہ دن بدن تباہی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے جس کی نتیجہ خیزی کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔

اگر ملک میں کوئی ایسا طبقہ موجود ہے جسے اپنی حفاظت، آنے والی نسلوں کی سلامتی، پاکستان کی بقا اور شرف انسانیت سے بہرہ یاب ہونے کا کچھ بھی احساس ہے تو اسے سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے اور زندگی اور موت کے اس اہم سوال کا فیصلہ کر کے اٹھنا چاہیئے۔

زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نہ ماند

عرصۂ محشر!

پنجاب کے مطلع سیاسی پر جو گھنگھور گھٹائیں ایک عرصہ سے گھر رہی تھیں وہ بالآخر برسیں اور صوبے بھر کو جل تھل تو کیا، لت پت کر گئیں۔ ان دنوں پنجاب کے قریہ قریہ، گلی گلی، کوچے کوچے میں کیچڑ ہی کیچڑ دکھائی دے رہا ہے اور جسے دیکھئے وہ گند اچھال رہا ہے یہاں تک کہ کوئی سفید پوش ایسا نظر نہیں آئے گا جو کیچڑ میں لتھڑا نہ ہو۔ یقین نہ آئے تو ذرا ایک ایک کو دیکھئے۔

گورنر پنجاب فرماتے ہیں کہ ملک فیروز خاں نون اپنی پارٹی کا اعتماد کھو بیٹھے ہیں، لہٰذا انہیں برطرف کیا جاتا ہے۔

ملک فیروز خاں نون فرماتے ہیں کہ جب سے میاں مشتاق احمد گورمانی پنجاب تشریف لائے ہیں وہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں پھوٹ ڈلوانے میں مصروف رہے ہیں۔

ملک صاحب کے تین ساتھی وزیر کہتے ہیں کہ وزیراعظم پاکستان نے بذریعہ ٹیلیفون انہیں بتایا ہے کہ گورنر کو انہوں نے برطرفی کا اختیار نہیں دیا۔

وزیراعظم پاکستان فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایسے ٹیلیفون پر کوئی بات نہیں کی

یہ میاں دولتانہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ملک نون جب سے وزیر اعلیٰ بنے ہیں استبداد و تظلم سے کام لیتے رہے ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کے منشور کو ٹھکرایا اور بدنام یونینسٹوں کے ہتھے چڑھ گئے

آل پاکستان مسلم لیگ کے سکریٹری فضل الٰہی پراچہ، کی سنئے،

ملک فیروز خاں نون نے کراچی میں وعدے کئے لیکن لاہور میں ان سے منحرف ہوگئے اور اس طرح عوام میں تذبذب اور بےیقینی کی فضا پیدا کردی اور ملازمتوں میں بددلی پھیلا دی۔

ستائیس ضلعی اور شہری مسلم لیگوں کے صدر اور سکریٹری مل کر کورس گاتے ہیں کہ ملک صاحب رجعت پسند یونینسٹوں کے ایجنٹ بن گئے تھے۔

مسٹر شمیم احمد خاں صاحب، سکریٹری پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی فرماتے ہیں کہ میاں دولتانہ نے اپنی وزارت کے دوران میں پاکستان کو معرض خطر میں ڈال دیا تھا لیکن ملک صاحب نے بروقت پہنچ کر صوبے کو سنبھالا۔

یہ لیجئے مسٹر مظفر علی قزلباش — جن کی وجہ سے ملک نون صاحب کو بھی یونینسٹ کہا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میاں دولتانہ نے ملک صاحب پر سیاسی استبداد کا الزام لگایا ہے اور اس کے حق میں کوئی ثبوت نہیں دیا۔ حالانکہ دولتانہ صاحب کے عہد حکومت میں فلاں فلاں ظلم سرزد ہوا۔ ملک صاحب کے کارنامے ایسے ہیں کہ ان پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ مجھے یونینسٹ کہا جاتا ہے۔ میں کبھی یونینسٹ تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے میاں گورمانی اور میاں دولتانہ کے والد مرحوم یونینسٹ تھے۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوگیا تھا۔ مسٹر دولتانہ نے ہم پر دولت سمیٹنے کا الزام لگایا ہے۔ میں انہیں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ ذرا تقسیم سے پہلے اور بعد کا اپنا بنک کا حساب دکھائیں۔

اب چودھری محمد حسین چٹھہ تشریف لاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشرقی پنجاب میں جو دس لاکھ مسلمان ذبح ہوئے ان کی ذمہ داری تنہا مظفر علی قزلباش پر عائد ہوتی ہے۔ (اس کے برعکس) میاں دولتانہ پاکستان کے بانیوں میں سے ہیں۔

یہ رہے شیخ صادق حسن صاحب۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسٹر گورمانی تشکیل پاکستان کے ہی خلاف تھے اور بہاولپور ریاست و ہندوستان میں ملانا چاہتے تھے۔ مرکز میں رہ کر انہوں نے بنگال اور پنجاب میں پھوٹ ڈلوائی اور پنجاب میں آکر وہ ملک نون صاحب کے شرکائے کار کو ان سے علیحدہ کرنے میں لگے رہے۔

یہ نمونہ ہے گالی گلوچ کے اس گھناؤنے کھیل کا جس میں پنجاب کے قائدین مصروف ہیں۔ اور یہ ڈرامہ کیوں کھیلا جا رہا ہے؟ آخر یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا کہ حمام میں سبھی ننگے نظر آرہے ہیں؟ یہ شرمناک ہنگامہ صرف اس بات پر اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ پنجاب کو مجوزہ مجلس دستور ساز کے لئے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔ دیوانے کی بڑ کی طرح بات جو چل نکلی ہے تو کسی کے منہ سے کوئی کلمۂ خیر نہیں نکلتا۔ اس کے نزدیک وہ غدار، اس کے نزدیک یہ مردود ازلی، یہ کیا عذاب مسلط ہوگیا کہ ہر ایک شخص آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کی بجائے دوسرے کا بگڑا ہوا حلیہ دیکھ رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سبھی صورتیں مسخ ہوگئی ہیں اور ہر شخص حبشی کی طرح آئینے میں اپنا ہی چہرہ دیکھ رہا ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ اس میں شیطان بیٹھا ہے؟

ہمیں رونا ان مسخ شدہ چہروں کا نہیں بلکہ ماتم اس کا کرنا ہے کہ یہی سیاہ چہرے کل کو ایک جگہ جمع ہوں گے تو اپنے آپ کو مجلس دستور ساز کا نام دیں گے اور ان کے ذمہ فریضہ یہ ہوگا کہ وہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے لئے شایانِ شان دستور مرتب کریں۔

اے محمدؐ گر قیامت را برآری سر ز خاک
سر برآور وایں قیامت درمیانِ خلق بیں

اب ذرا اس بھنگڑ خانے سے باہر آئیے اور قبل اس کے کہ سعدی کے الفاظ میں یہ آواز دیجئے کہ "فلاں نماند" یہ سوچئے کہ کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہمارے سامنے سوال یہ نہیں کہ ملک فیروز خاں نون کا جرم کیا تھا اور انہیں اس کی کیا سزا دی گئی۔ وزارتیں جلتی پھرتی چھاؤں ہوتی ہیں وہ بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ نہ ان کی آنے کی خوشی ہونی چاہیئے نہ جانے کا غم۔ کیونکہ "اَمرِ رازِ شہاں پائندہ تر دال" کے مصداق دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس آمد و رفت میں ملک اور قوم کا کیا بنتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں سیاسیات پاکستان کا جائزہ لیا جائے تو یہ رنجیدہ حقیقت روح کی گہرائیوں میں لرزہ برپا کردیتی ہے کہ یہ جو سیاست پر چند شاطر بیٹھے ہیں جو جوڑ توڑ اور ہار جیت میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے ذاتی مصالح اور شخصی مفادات کے مطابق ملک کی قسمت کے پانسے پلٹتے رہتے ہیں۔ اور اگر ملکی سیاست ہر وقت متزلزل اور توازن ناآشنا رہتی ہے تو وہ کسی اساسی خرابی کی بدولت نہیں بلکہ محض انہی اصحاب غرض و ارباب ہوس کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہے۔ اور یہ ریشہ دوانیاں محض اس لئے نہیں ہو رہی ہیں کہ ہمارے سیاست داں جاہ و منصب کے بھوکے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوم کی طرف سے ان پر کسی قسم کا کوئی احتساب نہیں۔ ہر ابن الوقت مفاد خویش کا تحفظ کرتا ہے اور اسے تقاضائے ملی قرار دیتا ہے لیکن کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھتی کہ وہ غلط کہہ رہا ہے۔ جمہوریت میں احتساب کا تقاضا سیاسی جماعتیں پورا کرتی ہیں۔ وہ وزارتوں کو منشائے عمومی کے مطابق ایک منشور عمل دیتی ہیں اور پھر اس میزان میں ان کی کارگزاری کو تولتی رہتی ہیں۔ جب بھی کوئی وزارت کم عیار نکلتی ہے اس کی برأت موت ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں صورت یہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں یکسر مردہ ہوچکی ہیں۔ حکومتیں کہنے کو سیاسی جماعتوں کی نمائندہ ہیں لیکن ان سے احتساب کرنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہونے کے باعث سیاسی سازشوں کی آماجگاہ بن گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گورنر جنرل اور گورنروں کے ہنگامی اختیارات کا استعمال بڑھ گیا ہے اور سیاسی مقدمہ بازی کا دور دورہ ہوگیا ہے۔ لیکن سیاست میں توازن نہ اس سے پیدا ہوتا ہے نہ اس سے۔ طلوعِ اسلام کا مشورہ تو اس بارے میں یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کے لاشوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کردیا جائے اور آئندہ کے لئے ملت کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے نہ کیا جائے۔ ہم نے بارہا اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ قرآن کے نزدیک ملت فی ذاتہ ایک پارٹی ہے اور پارٹی بازی کا تصور مشرکانہ ہے۔ ہماری یہ دعوت اب تک صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ لیکن اگر ہمارے ارباب سیاست اس مقام پر نہیں پہنچ سکتے جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے تو کم از کم عہد حاضر کی اس جمہوریت کا تقاضا ہی پورا کریں جس کا وہ دم بھرتے ہیں۔ وہ سیاسی زندگی کو پارٹی پالیٹکس کی لائنوں پر ہی چلائیں تو ایک حد تک موجودہ فساد میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اس طرح وہ خدا تک رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے تو کم از کم آدم تک تو پہنچ ہی جائیں گے۔ ورنہ اس وقت تو عالم

یہ ہے کہ

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ملک اس وقت ایک نہایت نازک دوراہے تک آپہنچا ہے۔ آٹھ سال تک جھک مارنے کے بعد ہمیں پھر موقع مل رہا ہے کہ ہم اپنا آئین مرتب کریں اور اس کے مطابق انتخابات عمومی کرا کے ملک میں باقاعدہ پارلیمانی زندگی کا آغاز کریں۔ ہم "عرصۂ محشر" میں کھڑے ہیں اور وقت کا اقتضا یہ ہے کہ ہم اپنا بہترین عمل پیش کریں۔ یہ موقع کامل یک سوئی اور یک جہتی کا ہے۔ کیونکہ اگر پوری توجہ سے اور کم سے کم وقت میں تسوید آئین کے کاروبار کو سرانجام نہ دیا گیا تو جن فتنوں کا آغاز ہو چکا ہے وہ ملک کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ گو ہمارے نزدیک پاکستان کی حقیقی ترقی اور سرفرازی کا راز قرآنی نظام معاشرت میں پنہاں ہے لیکن اگر سابقہ تجربات کی روشنی میں سیاسی ضروریات سے ہی عہدہ برآ ہو لیا جائے تو موجودہ تذبذب اور بے یقینی کا دور ختم ہو جائیگا۔ اور کم از کم یہ خطۂ زمین تو محفوظ رہ جائے گا۔ اس کے بعد توقع کی جاسکے گی کہ ہم سے بہتر لوگ اٹھیں گے تو وہ تحریک پاکستان کے حقیقی منشاء و مفہوم کی عملی تعبیر کر لیں گے۔

ہم اس موقع پر گورنر جنرل کی خدمت میں خصوصیت سے گزارش کریں گے کہ عدالتی فیصلوں نے ان کی ذمہ داری دوچند کی ہے۔ وہ اپنی پوزیشن کے صحیح استعمال سے ملک کو موجودہ خلفشار سے نکال لے جانے کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کی جرأت اور بیدار مغزی سے پاکستان موجودہ خلفشار سے نکل جائے تو تاریخ انہیں واقعی محافظ ملت کے نام سے یاد کرے گی۔

وزیر اعظم سے خطاب

بازار سیاست میں چلتی زبان، صاحب زبان کے لئے ایک عمدہ حربے کا کام دیتی ہے۔ لیکن یہی زبان بے قابو ہو جائے تو طرفہ مصیبت برپا کرنے کا موجب بھی بن جاتی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نے گزشتہ چند دنوں میں اس کی جو مثال قائم کی ہے وہ حد درجہ افسوسناک ہے۔ ذرا مختصراً جائزہ لے کر دیکھئے، ان کے تازہ بیانات اور بیانات در بیانات کا۔

۴ر مئی کو آپ نے دہلی میں اخباری نمایندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ نیا سال ہے اور ہم کشمیر کے بارے میں نئے (۱۹۵۵ء کے) حل کا طریقہ استعمال کریں گے۔ اس نئے طریق کی وضاحت چاہی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ لوگ ہر سال اپنی موٹر کاریں بدل دیتے ہیں، ہم بھی اب ۱۹۵۵ء کا ماڈل استعمال کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی دہلی سے یہ تشویشناک خبریں آنا شروع ہوئیں کہ اپنا سارا موقف چھوڑ چھاڑ، ہمارے وزیر اعظم نے کشمیر کا معاملہ کم و بیش ختم کر دیا ہے۔ پاکستان میں بجا طور پر ۱۹۵۵ء کے ماڈل کا یہی مفہوم لیا گیا۔

۱۱ر مئی کو وزیر اعظم نے دہلی میں پھر اخباری نمایندوں سے ملاقات کی اور گو آپ نے فرمایا کہ کشمیر کا جو حل ہو گا اس میں اہل کشمیر کی منشاء کا ضرور لحاظ رکھا جائے گا لیکن یہ بھی فرمایا کہ ان کی منشا استصواب (Plebiscite) ریفرینڈم اور انتخابات کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے، ہندوستان اور پاکستان کے مابین سلامتی کونسل کی وساطت سے جو معاہدہ ۱۹۴۹ء میں ہوا تھا اس کی رو سے اہل کشمیر کی منشا معلوم کرنے کا طریقہ استصواب (plebiscite) طے پایا تھا۔ جب وزیر اعظم نے اس ایک طے شدہ لفظ کی بجائے تین الفاظ استعمال کئے تو ان شکوک کی تصدیق ہوتی نظر آئی کہ استصواب کا متفق علیہ اصول پرانا ماڈل سمجھ کے ترک کر دیا گیا ہے۔ دہلی سے رخصت ہوتے وقت آپ نے پھر اخباری نمایندوں سے ملاقات کی اور کہا کہ کشمیر سے متعلق مذاکرات میں بعض "نئی باتیں" سامنے آئی ہیں اور بھارت کا طریق کم سخت (LESS RIGID) ہو گیا ہے دونوں وزرائے اعظم کو اب اپنے مشیروں سے ان نئی باتوں پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خبر رساں ایجنسی نے یہ خبر چار دانگ عالم میں پھیلا دی کہ وزیر اعظم پاکستان واپس اپنے ملک جا کر اپنے مشیروں کو اس پر آمادہ کریں گے کہ کشمیر میں موجودہ صورت حال کو قبول کر لیں اور بس۔ اس خبر کی روشنی میں وزیر اعظم کے بیان کا جو مفہوم لیا جا سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔

دہلی میں رخصت ہونے سے پیشتر آپ نے یہ فرمایا کہ مذاکرات میں بات ذرا آگے بڑھی ہے۔ کراچی میں آکر آپ نے فرمایا کہ مذاکرات نہ کامیاب ہوئے نہ ناکام البتہ ان کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۴ر مئی کو آپ نے معاصر "پاکستان سٹینڈرڈ" کو ایک خصوصی بیان دیا۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ مذاکرات مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اور حل کی طرف قدم بڑھے ہیں۔ اس بیان میں آپ نے پھر یہ کہا کہ اہل کشمیر کی منشا جاننے کی کئی صورتیں ہیں اور "الیکشن" (ELECTION) ان میں سے ایک ہے۔ ان بیانات پر جب تنقید ہوئی تو آپ نے ۲۵ر مئی کو معاصر "ڈان" کو ایک خصوصی بیان دیا۔ اس میں آپ نے فرمایا:

> یہ سراسر غلط ہے کہ میں نے استصواب کے
> علاوہ کسی اور طریق کے ذریعہ اہل کشمیر کی
> منشا جاننے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے
> ... میں نے الیکشن (ELECTION)
> کا لفظ یونہی استعمال کر دیا تھا۔ در اصل میں
> بلند آواز سے سوچ رہا تھا۔

آگے چل کر اس بیان میں آپ نے کہا کہ استصواب کے علاوہ ان کے اور پنڈت نہرو کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ الیکشن کا سوال تک پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ دوران گفتگو میں ایک ہی لفظ استعمال ہوتا رہا اور وہ تھا استصواب (PLEBISCITE) کا

چونکہ ایک ہی مرتبہ صاف بات کر کے معاملہ نپٹا نہیں دیا گیا اس لئے ہر بیان کے بعد وزیر اعظم کو وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ چنانچہ ۲۶ر مئی کو آپ نے ایک پریس کانفرنس طلب کی۔ اس میں آپ نے بتایا کہ دہلی مذاکرات میں اور ان سے پہلے اینز پنڈت نہرو سے ساری مراسلت میں کوئی دوسرا لفظ استعمال ہی نہیں ہوا، صرف استصواب (PLEBISCITE) کا لفظ استعمال ہوتا رہا۔

سیدھی سی بات ہے کہ اگر امر واقعہ یہ تھا کہ دہلی میں استصواب ہی پر گفتگو ہوتی رہی اور کوئی متبادل تجویز زیر بحث نہیں آئی تو وزیر اعظم کو غیر متعلق اصطلاحیں استعمال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ دہلی سے کتنا زہریلا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے؟ اگر اس سے وہ باخبر تھے تو کیا وہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ الفاظ کے استعمال میں ان کی بے احتیاطی اس غلط پروپیگنڈے کو کس قدر تقویت دینے کا موجب بن سکتی ہے؟ لیکن ایسا ہو یا نہ ہو، ایک مملکت کے وزیر اعظم کو ہر حال میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

یہاں تک تو معاملہ کشمیر سے متعلق تھا۔ اب دو ایک اور امور کو لیجئے۔ ۲۶ر مئی کی پریس کانفرنس میں پنجاب کا مسئلہ بھی سوالات کا موضوع تھا۔ ایک صاحب نے وزیر اعظم سے پوچھا کہ برطرفی کے احکام میں گورنر نے نون وزارت پر جو الزامات لگائے ہیں کیا آپ ان سے اتفاق کرتے ہیں؟ جواب ملاحظہ کیجئے:

> میرے خیالات، میرے خیالات ہیں۔
> انہیں چھوڑیئے۔ حکومت کی رائے یہ ہے
> کہ وہ (ملک صاحب پارٹی کی مطلوبہ)
> تائید سے محروم ہو گئے تھے۔

کیا اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ وزیر اعظم کی ذاتی رائے اس اہم معاملہ میں حکومتی رائے سے مختلف ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ جرأت سے اسے کیوں پیش نہیں کرتے؟ اگر نہیں تو "برائے بیت" بات کرنے کا مطلب کیا ہے؟

اسی اجتماع میں آپ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ مجلس دستور ساز کے لئے کہاں سے امید وار کھڑے ہوں گے۔ آپ جواب دیتے ہیں:

> ظاہر ہے کہ اپنے صوبے سے۔ میں ان دعوتوں
> کی قدر کرتا ہوں جو مجھے دوسرے صوبوں
> سے مل رہی ہیں لیکن میں اپنے ہی صوبے
> سے منتخب ہونا پسند کروں گا۔

پاکستان کا وزیر اعظم، جسے سب سے بڑا پاکستانی ہونا چاہیئے، کہہ رہا ہے کہ میں "اپنے صوبے سے منتخب ہونا پسند کروں گا"۔ انہیں از خود کسی "غیر" صوبے کو اپنا سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی تو کم از کم دوسروں کی دعوت پر ہی صوبائی سطح سے بلند ہوتے اور یہ مثال قائم کرتے کہ وہ کسی صوبے کے نہیں بلکہ پاکستان کے فرزند ہیں۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ آپ نے

(باقی صفحہ [illegible] پر)

تاریخی شواہد

(۱۷)

حضرت ہودؑ کی دعوت اور قوم کی طرف سے تکذیب برابر آگے بڑھتی گئی۔ طبیب کی شفقت اور مریض کی ضد متوازی چلتی گئی۔ حضرت ہودؑ ان سے بار بار کہتے تھے کہ دیکھو! قوانینِ الٰہیہ سے سرکشی کا مسلک چھوڑ دو، ورنہ اس کا نتیجہ ہلاکت اور تباہی ہوگا۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ آسمان کی فضا میں کس طرح اس وبا کے جراثیم پھیلتے جا رہے ہیں، جو قانونِ مکافاتِ عمل کے ماتحت تم پر عذاب بن کر مسلط ہو جائیں گے۔ اور پھر کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہے گی۔ لیکن قوت اور دولت کا نشہ ان باتوں کی طرف کب کان دھرنے دیتا ہے؟ سرکش و متمول انسان دیکھتے تھے کہ جس طرف ان کا قدم اٹھتا ہے عروج و ترقی آگے بڑھ کر رکاب تھامتی ہے۔ ان بڑھتی ہوئی کامیابیوں اور چڑھتی ہوئی کامرانیوں میں ہلاکت و بربادی کا تصور بھی کیسے آ سکتا تھا؟ لیکن وہ نہیں سمجھتے تھے کہ بادہ رنگیں کے اثرات سے جو سرخی چہرے پر دوڑتی ہے، وہ خون کی تازگی اور صحت کی شگفتگی کی سرخی نہیں ہوتی بلکہ شفق کی سرخی ہوتی ہے جو غروبِ آفتاب کا نقاب رنگیں بن کر نگاہوں کو فریب دیتی ہے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا
مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ (۲۹/۳۸)

اور (دیکھو!) شیطان نے ان کی بداعمالیوں کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا رکھا تھا چنانچہ (اس کے نتیجہ میں) شیطان نے انھیں (صحیح) راستہ کی طرف) آنے سے روکے رکھا۔ (انہوں نے شیطان کی تعلیمات کی اندھا دھند تقلید کی اور اپنی عقل و بصیرت سے مطلق کام نہ لیا) حالانکہ وہ لوگ (سمجھ بوجھ رکھنے والے اور حقائق کو) دیکھنے والے تھے۔

غور فرمائیے کہ قرآن کریم کے الفاظ کس قدر جامع ہیں۔ شیطان، حق و صداقت کی راہ روکے کھڑا تھا۔ اور جس راستہ پر وہ چل رہے تھے اسے اس نے جذبات کی گلکاریوں سے ایسا فریب نظر بنا دیا تھا کہ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے کہ ان حسین و دل فریب پھولوں کی کیاریوں کے نیچے ہلاکت و بربادی کے کتنے بڑے ہولناک غار ہیں۔ حالانکہ وہ مستبصرین تھے۔ آنکھیں رکھتے تھے۔ صاحبِ دانش و بینش تھے۔ قرآن نے اس مقام پر عقل و بصیرت اور "شیطنت" کے تقابل سے نگاہ کا رخ ایک عظیم حقیقت کی طرف پھیر دیا ہے۔ "شیطنت" کے معنی ہیں ان جذبات کی غلامی جو وحی کے تابع نہ چلیں۔ اگر انسان پر یہ جذبات غالب آ جائیں تو اس کی عقل اسے کبھی صحیح راستہ پر نہیں لا سکتی بلکہ (جیسا کہ کتاب "ابلیس و آدم" باب وحی میں بہ تفصیل بتایا جا چکا ہے) عقل تو ان جذبات کی لونڈی بن جاتی ہے اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اس کے لئے اسباب و ذرائع بھی بہم پہنچاتی ہے اور اس کے جواز میں دلائل بھی تراشتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ وحی کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں زندگی کا سفر طے نہیں کرتی۔ "مستبصرین" ہونے کے باوجود تباہی کے جہنم میں جا گرتی ہیں۔ یہ ہے وہ حقیقت جس کی طرف قرآن نے قوم ہودؑ کے "مستبصرین" کے تذکرہ سے نگاہ کا رخ پھیرا ہے۔ سورۂ احقاف میں انہی "مستبصرین" کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا
وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ
اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (۴۶/۲۶)

اور (دیکھو!) ہم نے انہیں وہ قوت و سطوت بخشی تھی جو ہم نے زمین میں تمہیں بھی نہیں بخشی، اور انھیں (سننے کے لئے) کان (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لئے) دل (عقل و شعور) عطا کئے تھے۔ مگر ان کے کان، آنکھیں اور دل کچھ بھی کام نہ آ سکے کیونکہ وہ خدا کے قوانین کا انکار کیا کرتے تھے اور بالآخر جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہو کر رہا۔

غور کیجئے سمع و بصر و قلب۔ علم و عقل کے ذرائع سب موجود ہیں لیکن وحی کی روشنی سے منہ موڑنے کی وجہ سے وہی کیفیت ہو چکی ہے جو آج مستبصرینِ مغرب کی ہے جن کی دوربینیں مریخ تک کے احوال و کیفیات کا پتہ توڑ لے آتی ہیں لیکن تباہی و بربادی کا جو سیلاب ان کے دروازوں سے ٹکرا رہا ہوتا ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا اور جب کوئی دیدہ ور ان سے کہتا ہے کہ ؎

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہ گذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے (اقبالؔ)

تو یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اس روشنی کے زمانہ میں یہ "دقیانوسی خیالات" کا مبلغ کہاں سے آ گیا؛ جب حضرت ہودؑ نے ان مکذبین سے کہا کہ

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (۲۶/۱۳۵)

(اور دیکھو، ہودؑ نے کہا کہ اے میری قوم!) میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

تو اس کا جواب کیا ملا؟

قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ (۲۶/۱۳۶-۱۳۸)

انہوں نے جواب دیا۔ اے ہودؑ! خواہ تو ہمیں نصیحت کرے یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنے ہم پر سب برابر ہے (ہم تیری نصیحتوں سے کوئی اثر لینے والے نہیں) یہ تو (ہمیشہ سے) پرانے (خیالات کے) لوگوں کی عادت رہی ہے (کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کو ڈراتے رہا کرتے ہیں) اور نہ ہی ہمیں کوئی عذاب دیا جائے گا۔

وہ بار بار ایک ناصحِ امین کی طرح انہیں ان کے اعمال کے عواقبِ انجام سے آگاہ کرتے تھے۔ لیکن وہ ہر بار یہی کہتے تھے کہ:-

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۷/۷۰ نیز ۴۶/۲۲)

اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو۔

اس کے جواب میں حضرت ہودؑ فرماتے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔

حقیقت ہے: نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (۷/۷۱)

ہودؑ نے کہا! یقین کرو، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو چکا ہے (تمہاری آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں کہ تمہیں اس کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔)

وہ پوچھتے کہ یہ عذاب کب آئے گا؟ ارشاد ہوتا کہ:-

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ
وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ (۴۶/۲۳)

اس کا علم تو صرف خدا ہی کے پاس ہے کہ یہ کب وارد ہوگا (میرا کام فرض یہ ہے کہ) جو ہدایت دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ تم تک پہنچا دیتا ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک ایسی قوم ہو جو جہالت کی باتیں کرتی رہتی ہے۔

نوادرات

علامہ اسلم جیراجپوری کے مضامین کا مجموعہ — قیمت چار روپے

اسلام کی سرگذشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات سے بحث کی جا چکی ہے اس سلسلہ میں علمائے عمرانیات کی آراء کا خلاصہ بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ جاحظ، ابن خلدون، اور اولیری کی آراء پیش کر کے ڈاکٹر احمد امین نے جو تبصرہ کیا تھا۔ اسے بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آج کی فرصت میں ڈاکٹر احمد امین صاحب کی اس کے متعلق اپنی رائے پیش کی جا رہی ہے، نیز عربوں کی زمانۂ جاہلیت میں حیات عقلیہ پر بحث کی جائے گی۔

ان کا تخیل محدود اور غیر متنوع ہوتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کا تخیل خود اپنی زندگی سے بہتر کسی زندگی کی تصویر کشی کر سکے۔ جس کے لئے وہ کوشش کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پورے لٹریچر میں انسانیت کا کوئی "بلند ترین نمونہ" نہیں ملتا۔ کیونکہ یہ بلند ترین نمونہ تخیل ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ نہ ہی ان کی زبان میں کوئی ایک ایسا لفظ ملتا ہے۔ جو کسی ایسی خیالی شخصیت پر دلالت کرتا ہو۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے انھوں نے اپنے کلام میں بھی اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ ان کا شعری تخیل بہت کم کسی نئے عالم کی طرف پرواز کرتا ہے۔ جہاں سے وہ کوئی نیا مضمون لا سکے تاہم وہ اپنے تنگ دائرہ میں رہتے ہوئے بھی ہر طرف اور ہر راستہ پر چلنے کی طاقت ضرور رکھتا ہے۔

رہ گیا ان کا اخلاقی پہلو تو وہ یقیناً حریت کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس حریت کی کوئی حد بندی یا تعریف نہیں کی جا سکتی حریت سے جو کچھ لوگوں نے سمجھا ہے۔ وہ شخصی حریت ہے نہ کہ اجتماعی حریت۔ وہ کسی رئیس یا حاکم کے مطیع و فرمانبردار بن کر رہنا جانتے ہی نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان کی تاریخ ——— حتیٰ کہ اسلام کے بعد بھی ——— اندرونی جنگوں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عہد ان کی تاریخ کا زریں عہد کہا جا سکتا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اندرونی جنگوں سے ہٹا کر بیرونی جنگوں میں مشغول کر دیا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدرت کی جانب سے خصوصیت کے ساتھ وہ گہری فہم عطا ہوئی تھی۔ جس کی بنا پر وہ عربوں کی نفسیات کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔

عرب قوم مساوات کو بہت پسند کرتی ہے۔ بلکہ اس سے عشق رکھتی ہے۔ لیکن یہ مساوات بھی قبیلہ کی حدود تک ہے۔ مساوات سے عشق رکھنے کے باوجود وہ اپنے قبیلہ اور پھر اپنی جنس کو بہر حال دوسروں کے مقابلہ میں نمایاں اور عظیم ترجیح دیتا ہے اس کے اعماق قلب میں یہ شعور جاگزیں ہے کہ اس کا خون بہت ہی ممتاز ہے وہ کبھی بھی ایران اور روم کی عظمت کا قائل نہیں ہو سکا۔ حالانکہ انکی حالت اور رومیوں اور ایرانیوں کی حالت میں بڑا فرق تھا یہاں قحط سالی اور خشکی تھی تو وہاں سرسبزی اور شادابی تھی۔ یہاں فقر تھا تو وہاں غنا تھا یہاں بادیہ نشینی تھی تو وہاں تمدن و حضارت تھی۔ ان ظاہر و باہر تفاوتوں کے باوجود جب انھوں نے رومیوں اور ایرانیوں کے ممالک کو فتح کر لیا۔ تو وہ ان کی طرف انہی نظروں سے دیکھتے تھے جیسا کہ ایک آقا اپنے غلام کی طرف دیکھتا ہے۔ ہم نے ان کا یہ مختصر سا ایک وصف بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ فصل میں پیش کی جائے گی۔

جو کچھ ہم نے عربوں کی طبیعت عقلیہ کے متعلق بیان کیا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ ہم وضاحت کے ساتھ دوسری متمدن قوموں کے ساتھ عربوں کے ارتباط و اتصال کے متعلق بیان کر چکے ہیں۔ یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی عقلی حیات کس قسم کی تھی۔ نیز یہ بھی کہ ان کی عقلی زندگی کا مظہر ان کی زبان، شعر، ضرب الامثال اور قصص ہی تھے۔

چوتھی فصل

(زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیاتِ عقلیہ)

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ عرب لوگ اپنے زمانۂ جاہلیت میں زیادہ تر بادیہ نشین تھے۔ اور بادیہ نشینی کا دور ایک ایسا طبعی اجتماعی دور ہوتا ہے۔ جس سے تمام قومیں ہی تمدن و حضارت تک پہنچتے ہوئے گذرتی ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس طبعی دور کے کچھ طبعی اور عقلی مظاہر بھی ہوا کرتے ہیں۔

اس جیسے دور میں جس سے عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں گذرتے رہے ہیں، ہر قوم میں نمایاں طریق پر تعلیل کی قوت کمزور ہوا کرتی ہے یعنی اس میں علت اور معلول اور سبب اور مسبب کے درمیان رابطہ کو پوری طرح پر سمجھ سکنے کی صلاحیت نہیں ہوا کرتی۔ ایک آدمی بیمار ہوتا ہے۔ اپنے مرض سے درد و الم محسوس کرتا ہے لوگ اسے اس کا علاج بتاتے ہیں۔ وہ اس دوا اور بیماری کے درمیان کسی قدر معمولی ارتباط کو تو سمجھ سکتا ہے۔ لیکن وہ اسے اس طرح پر نہیں سمجھ سکتا! جیسے ایک طرف فلسفہ آشنا باریک بین عقل سمجھ سکتی ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قبیلہ اس بیماری میں اس دوا کو استعمال کرنے کا عادی رہا ہے۔ اس کی نگاہ میں بس اتنا ہی کچھ ہوتا ہے۔ لہذا اس کی عقل اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی کہ وہ اس قسم کا اعتقاد رکھے کہ بادشاہ کا خون باؤلے کتے کے کاٹے میں مفید ہوا کرتا ہے۔ یا یہ اعتقاد کہ بیماری کا سبب کوئی خبیث روح ہوا کرتی ہے۔ جو مریض میں حلول کر جاتی ہے۔ اور اس کے لئے وہ اس قسم کے علاج تجویز کر لیتا ہے۔ جن سے ان ارواح کو بھگایا جا سکے۔ یا انھیں جب کسی آدمی کے متعلق یہ خوف ہو کر وہ پاگل ہو جائے گا۔ تو وہ اس کے بدن پر نجاستیں اور مُردوں کی ہڈیاں لٹکا کر مریض کو نجس اور ناپاک کر دیتے ہیں، اس قسم کی اور بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جب تک اس کا قبیلہ یا خاندان اس طرح کے کام کرتا رہتا ہے۔ وہ ان میں سے کسی بات کو بھی عجیب یا مستنکر نہیں سمجھتا۔ کیونکہ استنکار و ناپسندیدگی کا منشا دقت نظر اور مرض اور اس کے اسباب و عوارض کی تحقیق کی قدرت اور ان چیزوں کی تحقیق جو ان عوارض کو دور کر سکیں، ہو سکتی تھی، لیکن اس دور اول میں کسی قوم کی عقل اس درجہ تک پہنچتی ہی نہیں کہ وہ اس طرح کی تحقیقات کر سکے۔

قوتِ تعلیل کی یہ کمزوری ہی ہے جو ان تمام خرافات اور کہانیوں کی وضاحت اور تشریح کر دیتی ہے۔ جن سے عربی لٹریچر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور جن پر عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ لوگ ہم سے بیان کرتے ہیں کہ مآرب کا بند تین پہاڑیوں کے درمیان میں واقع تھا۔ جس میں سیلابوں اور چشموں کا پانی آ کر جمع ہو جاتا تھا۔ پانی نکلنے کا راستہ صرف ایک ہی طرف سے تھا۔ پچھلے لوگوں نے اس راستہ کو ٹھوس پتھروں اور سیسہ پلائی ہوئی دیواروں سے بند کر دیا تھا جب وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کرنا چاہتے تھے۔ تو اس سد کے اندر اپنی ضرورت کے مطابق مضبوط اور مستحکم دروازے کھول لیا کرتے تھے۔ اور یہ دروازے نہایت حساب کے ساتھ بنائے جاتے تھے۔ چنانچہ ضرورت کے مطابق وہ اپنی کھیتوں کو سیراب کر لیتے۔ اور پھر جب چاہتے ان دروازوں کو بند کر دیا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد وہ یوں بیان کرنے لگتے ہیں کہ اس بند کے برباد ہونے کا سبب یہ ہوا کہ سرخ رنگ کے چوہے اس دیوار کو جو اس بند سے متصل تھی۔ اپنے دانتوں سے کھودنے لگے جس سے وہ پتھر اپنی جگہ سے اکھڑ گیا جسے سو آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکتے تھے۔ پھر وہ اپنے پیروں کے پنجوں سے اس بھاری چٹان کو دھکیلتے دھکیلتے یہاں تک لے آئے کہ وادی کو اس طرف سے بند کر دیا۔ جہاں سے اس میں پانی آ کر جمع ہو جاتا تھا۔ اور اس طرف سے کھول دیا۔ جدھر سے پانی کو روکا گیا تھا۔ یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھ سکے کہ آخر ان خرافاتی چوہوں اور بند کے برباد ہو جانے میں کوئی صحیح ارتباط ہی نہیں ہو سکتا۔

اس کا صحیح سبب یہی تھا کہ لوگوں نے بند کی خبر گیری کی طرف سے غفلت برتی۔ حتیٰ کہ اس کی دیواروں میں اتنی طاقت ہی نہ رہی کہ وہ سیلابوں کے پانیوں کو برداشت کر سکتیں۔ اور ان کا دباؤ سہ سکتیں۔

اقبال اور قرآن

از:- پرویز

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ

ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶

قیمت:- دو روپے

مجلسِ اقبال*

مثنوی اسرارِ خودی

(تمہید)

گذشتہ اشعار میں اقبال نے کہا ہے کہ جن انقلاب آفریں حقائق کو میں واشگاف کر رہا ہوں انہیں سمجھنے اور اپنانے کے لئے

چیتے کا جگر چاہیئے شاہیں کا تجسس

ان کی گہرائیوں اور وسعتوں کو پالینا، کسی کم سواد کا کام نہیں۔

غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد — درخورِ ابرِ بہارِ من نشد

وہ غنچہ جو کھل کر پورا گلستان نہ بن جائے، اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ میری فکر کے ابر بہار سے سیراب ہوسکے۔ حقائق کو سمجھنے کے لئے شرح صدر کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ "شرح صدر" کوئی تصوف کی اصطلاح نہیں۔ نہ ہی اس کے لئے کسی باطنی کلید کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اسے آسمانی انقلاب کی دعوت دو، تو انہوں نے دعا کی کہ رب اشرح لی صدری۔ اے میرے نشو ونما دینے والے! میرے سینے میں کشادگی پیدا کر دے۔ اس سینے کی کشاد "شرح صدر" میں عزم کی بلندی، نگاہ کی وسعت، علم کا تبحر، ہمت کی افزائش، بازوؤں کی قوت اور قوموں کی استقامت سب کچھ آجاتا ہے۔ اقبال بھی یہی کہتا ہے کہ جب تک تمہارے قلب و دماغ میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے، میرے پیش کردہ حقائق تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گے۔ تنگ نظری اور ضیق نفس کو لئے ہوئے اس طرف آؤ گے تو یہاں سے کچھ نہیں مل سکے گا۔ اس لئے کہ

برقہا خوابیدہ در جانِ من است — کوہ و صحرا بابِ جولانِ من است

میری جانِ ناتواں میں بجلیاں خوابیدہ ہیں۔ اور پہاڑوں اور صحراؤں کی وسعتیں، میرے کھیل کے میدان، میری جولانگاہ کا دروازہ ہیں۔ یعنی جسے دنیا سب سے بڑی وسعت اور کشادگی سمجھتی ہے، وہ میری فکری جولانگاہ کے لئے بمنزلہ دروازہ کے ہے۔ لہذا

پنجہ کن با بحرِ م ار صحرا ستی — برقِ من در گیر اگر سینا ستی

اگر تم میرے سمندر کے مقابل آنا چاہتے ہو تو پہلے یہ دیکھ لو کہ تم میں صحراؤں کی سی وسعت ہے یا نہیں۔ اگر ایسی وسعت ہے تو پھر میرے بحر فکر پہ ہاتھ ڈالنے کی ہمت کرو۔ میری آتش پنہاں کی بجلیوں کے سامنے آنے کا حوصلہ وہی کرے جو طور کا سا عزم و استحکام رکھتا ہو۔ اگر وہ ذرا بھی کمزور ہوا تو ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ لوگوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس قدر شعلہ دامن فکر کے قریب آکر خواہ مخواہ اتنا بڑا خطرہ مول لیں۔ یہ اس لئے کہ

چشمۂ حیواں براتم کردہ اند — محرمِ رازِ حیاتم کردہ اند

مجھے رازہائے حیات کا محرم بنایا گیا ہے۔ میری قسمت میں چشمۂ حیواں لکھ دیا گیا ہے۔ لہذا جو کوئی میری فکر سے بہرہ یاب ہو جائے گا اس پہ زندگی کے سربستہ راز کھل جائیں گے اور وہ حیاتِ جاوداں کی متاعِ گراں بہا سے متمتع ہو جائے گا۔ مجھے وہ تب و تابِ زندگی ملی ہے کہ

ذرہ از سوزِ نوایم زندہ گشت — پر کشود و کرمکِ تابندہ گشت

میری نوائے پرسوز کی حرارت سے ذرۂ بے جان میں زندگی کی نمود پیدا ہو گئی۔ اس نے پر کشائی کی اور دنیا کی نگاہوں میں کرمکِ شب تاب (جگنو) بن کر اڑنے لگ گیا۔ وہ کسی دوسرے کی روشنی کا محتاج نہ رہا۔ بلکہ دوسروں کے لئے شمعِ راہ بن گیا۔

ہیچ کس رازے کہ من گویم نگفت — ہمچو فکرِ من درِ معنی نہ سفت

زندگی کے لئے جو راز میں بتانا چاہتا ہوں، کوئی اور نہیں بتا سکتا۔ حقائق و معارف کے جو موتی میری فکر پرو سکتی ہے، کوئی اور ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لئے

سرِ عیشِ جاوداں خواہی بیا — ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

اگر تو عیش جاوداں کا راز پانا چاہتا ہے، تو میرے پاس آ۔ میں بتاؤں گا کہ تمہیں حیاتِ جاوید اور مملکت لا یبلیٰ کس طرح مل سکتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا انسان کے آب و گل میں ہے۔ یہ حیات جاوید چاہتا ہے۔ کبھی مرنا نہیں چاہتا۔ اور صرف یہی نہیں کہ زندہ رہنا چاہتا ہے بلکہ زندگی میں ایسا سامان عشرت بھی چاہتا ہے جسے کبھی زوال اور فنا نہ ہو۔ ابلیس نے آدم کی اسی ہوسِ عیش جاودانی سے فائدہ اٹھایا اور اسے کہا کہ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ۔ (۲۰/۱۲۰) کیا میں تجھے اس درخت کا پتہ دوں جس کا پھل کھانے سے تمہیں حیات جاوید مل جائے گی اور ایسی مملکت حاصل ہو جائے گی جو تغیر پذیر نہ ہو۔ آدم اس کے جھکمے میں آگیا اور کہا کہ ہاں! میں ایسا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کا سراغ دے۔ ابلیس نے کہا کہ تو اپنی اولاد کے ذریعے ہمیشہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔ لہذا، تو باقی نوع انسانی سے اپنا رشتہ منقطع کرکے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے سب کچھ اکٹھا کرنے کی فکر کرتا رہ۔ قرآن کہتا ہے کہ اس سے انسانیت کی عالمگیر برادری، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ہر فرد اپنی اور اپنی اولاد کی فکر میں اس قدر مستغرق ہو گیا کہ مختلف افراد کے درمیان مفاد پرستی کی (WEDGES) حائل ہو گئیں۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲۰/۱۲۳)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آدم کو بے کس اور بے بس، مایوس و نا امید نہیں رہنے دیا۔ اس سے کہا کہ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (۲۰/۱۲۳) جب میری طرف سے تمہارے پاس پیغام ہدایت آئے تو جو اس راہ نمائی کی اتباع کرے گا تو نہ وہ بے راہ رو ہوگا اور نہ ہی زندگی کی شادابیوں سے محروم رہے گا۔ لیکن جو کوئی میرے ضابطہ ہدایت سے اعراض برتے گا تو اس کی روزی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے نتائج میں اندھا اٹھے گا۔ یعنی جو شخص خدا کے ضابطہ قوانین کی اطاعت کرے گا اسے اس دنیا کی آسائشیں بھی نصیب ہوں گی۔ اور حیاتِ جاوداں بھی۔ اسے حال اور مستقبل، دنیا اور آخرت دونوں میں سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب ہوں گی۔ اس حقیقت کو اقبال نے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ

ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

یہ قرآن کی تعلیم کا ماحصل اور اقبال کے پیغام کا نقطۂ ماسکہ ہے۔ یعنی فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ اس دنیا میں خوشگواریوں کی زندگی اور اس کے بعد کی زندگی میں عیش جاوداں۔ اس کا نام "زمین و آسمان" کی برکات ہیں جو وحی خداوندی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہی اقبال کا پیغام ہے۔

پیرِ گردوں با من ایں اسرار گفت — از ندیماں رازہا نتواں نہفت

مجھے "آسمان" نے یہ راز بتائے ہیں۔ میں نے انہیں قرآن سے حاصل کیا ہے۔ میری فکر کا سرچشمہ وحی خداوندی ہے جو کتاب اللہ کے اندر محفوظ ہے۔ ان رازوں کو جو مجھ پر اس طرح عیاں ہوئے ہیں، اپنے ہم فکر و ہم مشرب احباب سے چھپایا نہیں جا سکتا۔ اس مثنوی میں انہی سربستہ رازوں کو بے نقاب کیا جائے گا۔

حیاتِ جاوداں
ابلیس کے نزدیک اولاد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔
لیکن
قرآن کا جواب
اس سے مختلف ہے۔
یہ جواب
ابلیس و آدم
میں ملاحظہ کیجئے
صفحات ۳۷۶
قیمت آٹھ روپے

عورت کا قرآن

(۱۵)

(۴) اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ○ (عنکبوت رکوع ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے ہی پر کہ "ہم ایمان لے آئے" وہ چھوٹ جائیں گے؟ اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نکھار کر رہیگا جو سچے تھے اور وہ جھوٹوں کو بھی نکھار کر رہے گا۔

(۵) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (حج رکوع ۱۰)

اے مسلمانو! تم احکام الٰہی کے آگے جھکے ہوئے اور سجدہ ریز رہو۔ پروردگار کی اطاعت کیا کرو۔ اور نیک کام کیا کرو۔ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کاموں میں خوب کوشش کیا کرو جیسی قدر کہ کوشش کرنے کا حق ہے اللہ نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو۔ اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا۔

(۶) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران ع)

بلاشبہ اللہ کے نزدیک "دین" "صرف" "اسلام" ہی ہے۔

(۷) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران رکوع ۹)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

(۸) قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام ع ۲۰)

کہہ دو کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا رستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے مستحکم۔ جو ملت ہے ابراہیم کی جو ہر غیر اللہ سے اپنا منہ موڑ چکے تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ کہہ دو کہ بلاشبہ میری صلوٰۃ اور میری ساری اطاعت اور میرا جینا، اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا مسلمان ہوں۔

(۹) اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات ع ۲)

خدا کے نزدیک وہی معظم و مکرم ہے جو سب سے زیادہ خدا کے قوانین سے ہم آہنگ ہو۔

(۱۰) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ○

(آل عمران رکوع ۱)

اے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ تو ہم کو ہدایت کر چکا ہے اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے کہ بلاشبہ تو بڑا ہی عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ رکوع ۲۵)

اے پروردگار ہم کو مستقبل قریب میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور انجام اور نتیجہ میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو النار کے عذاب سے بچایئے۔

(نوٹ)

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے　　کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت　　خدا و جبرئیل و مصطفیٰؐ را

"اسلام" جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم لائے اور جو "قرآن میں ہے، مذہب نہیں بلکہ "دین" ہے اور بہت ہی سادہ، فطری اور ہمیشہ باقی رہنے والا۔ "مذہب" چند رسومات کو ادا کر دینے کا نام ہے۔ "اسلام" کو رسومات اور ان کی ادائیگی سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں "اسلام" تو "دین" ہے یعنی ایک قانون، ایک آئین۔ ایک دستور اور ایک نظام۔ اسی لئے نظام اسلامی، نہایت سیدھے سادے اصول پر قائم اور آئینۂ فطرت کی طرح صاف اور شفاف ہے۔ اس میں کہیں کثافت نہیں۔ ٹیڑھ نہیں۔ سلوٹ نہیں۔ جھول نہیں۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (ملک ع)

جن چیزوں کے انداز سے خدا نے مقرر کر دیئے ہیں ان میں کہیں نقص و تفاوت نہیں ہوا کرتا۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (ملک ع)

جدھر جی چاہے نگاہ اٹھا کر دیکھ لو۔ کہیں کسی گوشے اور کونے میں بگاڑ نظر نہیں آئے گا۔

ایک بار نہیں بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھو۔

یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ (ملک ع)

ہر بار نگاہ ناکام و نامراد کاسۂ چشم میں لوٹ آئے گی اور کہیں کوئی الجھاؤ نہیں پائے گی۔

جس قدر الجھاؤ اور پیچیدگیاں، جتنی دشواریاں اور پریشانیاں، جس قدر اختلافات و نزاعات، جتنی فرقہ بندیاں اور گروہ سازیاں ہیں سب ہماری پیدا کردہ ہیں۔ اور یہ پیدا کیونکر ہوئیں؟ اس لئے کہ "اسلام" کو "دین" کے بجائے "مذہب" بنا دیا گیا۔ ہمارے علماء نے اسلام کی اس سادگی کو باقی نہ رہنے دیا جو وہ لے کر آیا تھا مگر یہ داستان ہے جگر خراش اور قصہ ہے الم انگیز لہذا ذرا تفصیل سے بتانے کی فرصت ہے تا کہ سمجھ میں آئے کہ "اسلام" کیا تھا کیا ہے اور مسلمانوں نے اس کو کیا بنا دیا یا کیا سمجھا جاتا ہے؟ اور ایسا کیوں ہوا؟

مقام حدیث
حدیث کے متعلق پوری تفصیل
جلد اوّل
جلد دوم
قیمت فی جلد چار روپے

گفتگوئے خداوندی کے تین طریقے

(ابنِ آدم)

سورہ شوریٰ کے پانچویں رکوع میں ایک آیت مع ترجمہ سنئے :۔

ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من ورای حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم

اور کسی بشر کی (حالت موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ وہ بڑا عالی شان ہے اور بڑی حکمت والا بھی ہے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

تمام مترجمین نے تقریباً اسی قسم کے ترجمے کئے ہیں اور سارے مفسرین کی تفسیریں اسی نوعیت کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یوں ہے کہ کلام الٰہی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایسی بلا واسطہ وحی ہو جس میں نہ کوئی آواز ہو۔ نہ کوئی رویت ہو۔ بس دل میں خود بخود اللہ کی طرف سے ایک بات ڈال دی جائے۔

(۲) پس پردہ گفتگو ہو جیسے سیدنا موسیٰؑ سے گفتگو ہوئی تھی

(۳) کوئی فرشتہ بھیج دیا جائے اور وہ وحی کرے۔

ہمیں اس تفسیر میں جو سقم نظر آتا ہے وہ یہ ہے

(الف) مفسرین و مترجمین کے کہنے کے مطابق یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں۔ جو صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور صورت حال یوں ہے کہ آیت زیر بحث میں نبی و رسول سے گفتگو کرنے کا ذکر نہیں بلکہ عام نوع بشر سے گفتگو کرنے کا ذکر ہے۔ لفظ آیت ہے ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا الخ یعنی کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کرے مگر ان تین طریقوں سے الخ

(ب) وحی کا جو بھی طریقہ ہوگا۔ وہ من ورای حجاب (پس پردہ) ہی ہوگا۔ اس لئے اسے کلام الٰہی کی دوسری متغائر قسم قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح کسی کے سامنے نہیں آتا۔ اور اس کی عینی رویت نہیں ہوتی (لا تدرکہ الابصار) اسی طرح اس کی گفتگو کی آواز بھی کوئی نہیں ہوتی۔ جسے کان سن سکیں یہ خواہ مخواہ فرض کر لیا گیا ہے کہ سیدنا موسیٰؑ نے کوئی ایسی آواز سنی تھی۔ جس کا کوئی ادا کرنے والا پس پردہ چھپا ہوا تھا ؎۔ قول اور لحن نے آواز نے مدرکات یعنی دسماعی وغیرہ سب کا تعلق مادیات سے ہے اور اللہ مادیت سے ورا الورا ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر اسی طرح وحی ہوتی تھی۔ جس طرح دوسرے انبیاء پر ہوتی رہی۔ اس آیت سے بھی اس کی حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ

(۴ : ۱۶۳)

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ

اے رسول ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف وحی کی

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا نوحؑ کے بعد والے انبیاء پر جن میں سیدنا موسیٰؑ بھی ہیں وحی اسی طرح آتی رہی۔ جس طرح حضورؐ پر آتی اور یہ سب کے سب من ورای حجاب ہی تھی خواہ براہ راست دل میں بات ڈال دی جائے۔ خواہ کوئی فرشتہ وحی لائے یا کوئی خواب اس کا ذریعہ ہو کچھ بھی ہو کلام خداوندی بہرحال پس پردہ ہی ہوگا۔ نہ اس کی صورت دکھائی دے گی۔ نہ آواز سنائی دے گی۔ وحی کی جتنی قسمیں بھی ہو سکیں۔ وہ سب اسی ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ جسے "وحیاً" کہا گیا ہے۔ اور من ورای حجاب یقیناً اس سے الگ کوئی شے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایسی وحی کوئی بھی نہیں جو من ورای حجاب نہ ہو۔

(ج) رسول کا لفظ بمعنی فرشتہ بھی قرآن میں آیا ہے۔ اس سے انکار نہیں۔ لیکن یہاں رسول کو خواہ مخواہ بمعنی فرشتہ لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ اگر رسول بمعنی رسول نہ لئے جا سکیں۔ پھر تو اسے بمعنی فرشتہ مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن آخر اسے (تمثّل بمعنی فتمثل لھا بشراً کی طرح) کیوں بمعنی فرشتہ لیا جائے؟ ایک قریب معنی کو چھوڑ کر بعید معنی کیوں لئے جائیں؟ علاوہ ازیں کلام خداوندی کی یہ تیسری قسم یعنی بذریعہ فرشتہ پیغام بھیجنا تو خود ہی پہلی قسم وحیاً میں داخل ہے یہاں وحی کی نوعیتیں نہیں بتائی جا رہی ہیں۔ جس کی یہ تین تقسیمیں ہوں۔ یہ خداوندی گفتگو کی تین قسمیں بتائی جا رہی ہیں۔ فرشتے کا پیغام خداوندی پہنچانا بھی وحی ہی ہے۔ اور پہلی قسم وحیاً سے کوئی متغائر شے نہیں۔

اگر یہ تینوں شکلیں وحی کی ہوں تو لفظ وحیاً کو بالکل محدود معنی میں لینا پڑے گا۔ یعنی ایسی وحی جو بلا آواز اور بلا واسطہ جبریل ہو۔ اس کی دوسری قسم وہ ہوگی جس کی صرف آواز آئے اور تیسری یہ کہ جبریل آ کر وحی پہنچا جائیں۔ حالانکہ قرآن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم قرآن تو بواسطہ جبریل ہی آیا ہے۔

(۲ : ۹۷)

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ

پوچھو کہ جبریل کا کون دشمن ہے۔ اس نے تو قرآن کو آپ کے دل میں بحکم الٰہی اتارا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے وحی جب آئی تو بواسطہ جبریل ہی آئی۔ لہٰذا یہ کوئی تیسری قسم نہیں بن سکتی جو وحیاً اور من ورای حجاب سے متغائر ہو۔

ان تمام اسقام کو دیکھتے ہوئے مفسرین کی یہ تفسیر ہمیں مطمئن نہیں کر سکیں لہٰذا ہم جو کچھ سمجھ سکے ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ یہ ہماری فقط ایک کوشش ہے حرف آخر نہیں ہے ـــــ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بشر سے کلام یا باتیں کرتا ہے لیکن وہ مادیت سے بالکل ورا الورا ہے لہٰذا نہ اس کی کوئی شکل و صورت ہے جو وہ سامنے آئے۔ اور نہ اس کے کام و دہن اور زبان و لب ہیں جن کے انفعال و جنبش سے کوئی صوت مسموع خارج ہو سکے۔ بایں ہمہ وہ اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے۔ وہ کس طرح؟ وہ یوں کہ

(۱) یا تو وہ وحی کرتا ہے جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) یا پس پردہ باتیں کرتا ہے۔ اس میں انبیاء اور غیر انبیاء سب افراد بشر داخل ہیں (تشریح ابھی آتی ہے)

(۳) یا کسی حامل وحی پیغمبر کو بھیجتا ہے۔ اور وہ بتاتے ہیں کہ خدا یہ فرماتا ہے۔ یہ صرف غیر انبیاء کے لئے ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ خاص بندوں (انبیاء) سے وہ بلا کسی انسانی واسطے کے باتیں کرتا ہے اور عام بندوں (غیر انبیاء) سے بواسطۂ انسان یعنی بواسطۂ انبیاء۔ ان دو قسموں کے علاوہ الٰہی گفتگو کا ایک اور انداز بھی ہے جو پس پردہ ہوتا ہے۔ اس میں انبیاء و غیر انبیاء کا کوئی امتیاز نہیں۔ خدا کا یہ طرزِ کلام سب کے لئے عام ہے۔ ہر وہ شخص جو عقل و شعور یا قوت تمیز رکھتا ہو اس سے خدا بولتا ہے اور بولتا رہتا ہے ـــــ نیلی نیلی گھٹائیں چمک کے ساتھ دکھائی دے رہی ہیں اور ہوا کے خنک جھونکے آ رہے ہیں۔ لہٰذا طوفان باد و باراں سے بچنے کا انتظام کرو۔ نبض کا نظام بگڑ چکا ہے۔ لہٰذا اب مریض چند گھڑی کا مہمان ہے وصیت نامہ لکھوا لو۔ شدید معاشی بحران ہے۔ لہٰذا ایک انقلاب آنے والا ہے عام اخلاقی حالت بگڑ چکی ہے۔ اس لئے کوئی خاص آفت آئے گی۔ نسلی و وطنی تعصبات انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے جنگی تصادم سے مفر نہیں۔ فلاں قوم بے حد مظلوم ہو چکی ہے۔ اس لئے اس میں کوئی انقلابی لیڈر ظاہر ہوگا۔ اس درخت پر چیلوں نے بیٹھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اب یہ درخت گرنے والا ہے، چیونٹیاں اپنے انڈے نکال کر لئے جا رہی ہیں۔ لہٰذا بارش ہونے والی ہے[1] ـــــ ۔ یہ ساری باتیں خدا کی خاموش گفتگو ہیں جو ہر وقت اپنے بندوں سے وہ کرتا ہے۔ لیکن آثار و علامت کے پردے میں (من ورای حجاب) ان کی کوئی زبان نہیں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ کوئی پیغمبرانہ وحی نہیں ہوتی۔ کوئی فرشتہ نہیں آتا۔ مگر جو جتنا زیرک ہوتا ہے۔ اتنی ہی جلد اور اتنا ہی صحیح فیصلہ کا نتیجہ نکال لیتا ہے۔ بے عقل انسان کہتا ہے کہ لولا یکلمنا اللہ (۲ : ۱۱۸) خدا ہم سے خود براہ راست باتیں کیوں نہیں کرتا؟ وہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ارنا اللہ جھرۃ ہمیں خدا کی ذات عیاں دکھا دو۔ اس کا جواب خدا یوں دیتا ہے کہ وہ نہ دیکھنے کی چیز ہے نہ سننے کی۔ دیکھنا چاہو تو کائنات کے ایک ایک ذرے میں دیکھ سکتے ہو۔ لیکن اس طرح نہیں جس طرح کسی مادی چیز کو دیکھتے ہو۔ اور سننا چاہو ہر وقت سن سکتے

[1] تاریخ ماضی کا پتہ بھی اسی خاموش کلام الٰہی سے چلتا ہے اور سائنس کے تمام انکشافات میں بھی یہی کلام الٰہی مدد دیتا ہے۔ غرض تمام عقلی استدلالات و علامات خدا کی خاموش زبان ہیں۔ وحی کا کام یہ ہے کہ اس عقل کو بھٹکنے نہ دے اور ارتقائے علمی میں سہارا دیتی رہے

ہو. لیکن اس طرح نہیں جس طرح کسی خطیب کا خطبہ یا موسیقار کی موسیقی سنتے ہو. بلکہ وحی کے الفاظ ہیں یا عقل کے کانوں سے. قرآنی پیغام وحی و عقل کے تخالف کا قائل نہیں. بلکہ یہ دونوں میں توافق پیدا کرتا ہے. عقل کو وحی کا ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے. بلکہ یوں کہئے کہ وحی ہوتی ہی ہے. عقل کو سہارا دینے کے لئے.

اب ہم اس تفسیر کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یوں کر سکتے ہیں .

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالےٰ اسے گفتگو کر سکے کہ بذریعہ وحی ہو

یا پس پردہ ہو یا کوئی رسول بھیجے جو باذن الٰہی وہ باتیں بتائے جو اللہ چاہے بلاشبہ

وہ برتر و حکیم ہے .

یہاں علی و حکیم کے الفاظ بھی قابل غور ہیں بلند و بالا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ـ

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم　　　وز ہرچہ خواندہ ایم و شنیدیم و گفتہ ایم

پس جو علی یعنی ہمارے تمام قسم کے تصورات سے بالاتر ہو اسے دیکھنے یا سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. اور حکیم کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بندوں سے گفتگو فرمانے کے لئے تین طرح کے نہایت حکیمانہ طریقے رکھے ہیں .

ایک الہامی

ایک عقلی

ایک دونوں سے بالاتر

پہلی قسم نبی اور غیر نبی دونوں میں مشترک ہے. بعض اوقات بغیر کسی منطقی استدلال اور بلا کسی عقلی ربط مقدمات کے دفعۃً حقیقت منکشف ہو کر سامنے آ جاتی ہے. اور ایک خیال دل میں ڈال دیا جاتا ہے یہ بھی ایک خداوندی گفتگو ہے جو انبیاء کے ساتھ ہی مخصوص نہیں. قرآن پاک میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں. مثلاً

اذ اوحیت الی الحواریین... (۵: ۱۱۱) جب ہم نے حواریان مسیح کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ.

واوحینا الی ام موسیٰ.... (۲۸: ۷) اور ہم نے مادرِ موسیٰ (حضرت یوکبد) کے دل میں یہ ڈال دیا کہ موسیٰ کو سمندر میں ڈال دو.

واوحینا الیہ لتنبئنھم... (۱۲: ۱۵) اور ہم نے یوسف کے دل میں (قبل از نبوت) یہ بات ڈال دی کہ تم اپنے بھائیوں کی حرکات سے انہیں مطلع کرو گے.

یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کے لئے کشف و حدس سے زیادہ موزوں لفظ ہمارے پاس الہام ہے اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں. اس کے لئے کوئی مناسب لفظ پیدا کر لیجئے. اس سے ہمیں بحث نہیں. اس وقت اس سے بھی بحث نہیں کہ دین میں اس کا مقام کیا ہے کہنا صرف یہ ہے کہ گفتگوئے خداوندی کا یہ بھی ایک طریقہ ہے جو نبی اور غیر نبی دونوں میں مشترک ہے .

اسی طرح عقلی (من وراء حجاب) قسم کی گفتگوئے خداوندی بھی دونوں میں مشترک ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ نبی اور غیر نبی کے الہام اور عقل دونوں کے مقام میں فرق ہے. اس کی تشریح اس وقت زیر بحث نہیں.

تیسری قسم گفتگوئے خداوندی کی یہ ہے کہ عام بندوں تک بذریعہ رسول گفتگو کی جائے.

ہماری یہ دوسری تفسیر بعض احباب کے لئے ممکن ہے قابل قبول نہ ہو. لیکن اسے رد کرنے کی معقول وجوہ ہمارے پاس سردست موجود نہیں.

طلوعِ اسلام سورۂ شوریٰ کی زیر نظر آیت کا جو مفہوم ہم سمجھ سکے ہیں، اسے ہم طلوع اسلام بابت مارچ ۱۹۵۴ء (کے باب المراسلات) میں لکھ چکے ہیں. مختصراً یہ کہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے ہم کلام ہونے کے دو طریقے بتائے ہیں. ایک انبیاء کرام کے ساتھ اور دوسرا غیر انبیاء کے ساتھ. انبیاء کے ساتھ ہم کلامی کا ایک طریقہ وحیاً ہے (یعنی دل میں امر الٰہی کا القاء کر دینا) اور دوسرا "من وراء حجاب" ہے (یعنی پس پردہ بات کرنا) غیر انبیاء سے اللہ تعالےٰ صرف اپنے رسولوں کی معرفت بات کرتا ہے. براہ راست بات نہیں کرتا.

"ابن آدم" نے "من وراء حجاب" سے مفہوم لیا ہے. نظام کائنات پر غور و فکر کے بعد یہ سمجھ لینا کہ یہاں خدا کا قانون کس طرح کام کر رہا ہے. بظاہر بات تو بے جی لگتی ہوئی. لیکن یہ مفہوم قرآن کے بنیادی اصول کے خلاف جاتا ہے. اس لئے ہمیں اس سے اختلاف ہے.

قرآن کی رو سے ایک چیز ہے خدا کا بندوں سے کلام کرنا. اور دوسری چیز ہے بندوں کا عقل و فکر کی رو سے خدا کی باتوں کو معلوم کرنا. دونوں میں بنیادی فرق ہے. جب خدا بندوں سے کلام کرتا ہے تو وہ حتمی اور یقینی بات ہوتی ہے. جس میں ظن و قیاس، شک و شبہ اور ابہام و التباس کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا. یہ چیز اس وحی کے ساتھ مخصوص ہے. جو انبیاء کی طرف ہوتی ہے. لیکن جب انسان، اپنی عقل کی رو سے، مظاہر فطرت پر غور کر کے، خدا کی باتوں کو معلوم کرتا ہے. تو اس میں ظن و قیاس، شک و شبہ، اور ابہام اور التباس کا امکان ہوتا ہے عقل کا طریق استدلالی اور تجرباتی ہے، اس لئے وہ براہ راست انکشاف حقیقت نہیں کر سکتی. وحی اور بصیرت انسانی کا یہی وہ بنیادی فرق ہے. جو انسانوں کو انبیاء اور غیر انبیاء میں تقسیم کرتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ نیلی نیلی گھٹاؤں اور ہرے ہرے پتوں کے پردوں کے پیچھے سے خدا صاحبان عقل و فکر سے باتیں کرتا ہے شاعرانہ اسلوب بیان تو ہو سکتا ہے. حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتا. انسان ان گھٹاؤں اور پتوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے. لیکن خدا انسان سے باتیں صرف وحی کے ذریعے کرتا ہے جو انبیاء پر آتی تھی.

"ابن آدم" نے کہا ہے کہ وحی کے دو طریقے تسلیم کرنا. (یعنی ایک طریقہ یہ کہ خدا نبی کے دل میں حقیقت کا القاء کر دیتا ہے. اور دوسرا طریقہ یہ کہ نبی خدا کی باتیں سنتا ہے) صحیح نہیں انبیاء کرام پر وحی کس طرح ہوتی تھی. اس کی ماہیت کیا تھی؟ اس کی نوعیت کیا تھی. یہ وہ باتیں ہیں. جنہیں کوئی غیر نبی جان ہی نہیں سکتا. لیکن جب خود خدا نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق ایک جداگانہ طریقہ کا ذکر کر دیا ہے تو ہمارے لئے اس کے صحیح ماننے میں کون سے شبہے کی گنجائش ہو سکتی ہے. "ابن آدم" نے سورۂ نساء کی آیت کا صرف اتنا حصہ نقل کیا ہے. انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (۴/۱۶۳) لیکن ان مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (۴/۱۶۴) اگر "کما اوحینا" سے مراد "وحی کا طریق" تھا (اور وہی طریقہ حضرت موسیٰ کے لئے بھی اختیار کیا گیا تھا) تو حضرت موسیٰ کو باقیوں سے الگ کر کے یہ کہنا کہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (معاذ اللہ) بے معنی ہو جاتا ہے. یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی ہر وحی (جو کسی نبی پر ہوئی ہو) کلام اللہ ہے (اور قرآن اس پر شاہد ہے) لیکن طریق وحی کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ سے کلام کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے. لہٰذا اس طریق میں کوئی بات تو ایسی تھی. جس کی وجہ سے اس کے خصوصی تذکرہ کی ضرورت سمجھی گئی.

باقی رہا یہ کہنا کہ آواز ایک طبعی یا مادی شے ہے. جس کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی جا سکتی تو گذارش ہے کہ کلام (یا الفاظ) کا تعلق بھی مادیات سے ہے. اس کی نسبت بھی خدا کی طرف کیسے کی جا سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ آواز ہو یا الفاظ. جب ان چیزوں کی نسبت انسانوں کی طرف ہو گی تو ان سے مفہوم مادی آواز اور الفاظ ہوں گے. لیکن جب ان کی نسبت خدا کی طرف ہو گی تو یہ چیزیں مادیات سے ماوراء ہو جائیں گی. جس طرح ہم یہ نہیں جان سکتے کہ وحی کے الفاظ کس طرح قلب نبی پر القاء کئے جاتے تھے. اسی طرح ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ انبیاءؑ خدا کی "آواز" کس طرح سنتے تھے

اب رہی "ابن آدم" کی دوسری تفسیر کہ ایک چیز ہوتی ہے وحی (جو صرف انبیاء سے مختص ہوتی ہے) اور ایک چیز ہوتی ہے الہام (جس میں نبی اور غیر نبی دونوں شریک ہوتے ہیں) تو اس کی بابت ہم مقام حدیث (جلد اول) کے آخری باب (نیز طلوع اسلام بابت مارچ ۱۹۵۴ء. باب المراسلات) میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ اگر الہام سے مراد یہ ہے کہ خدا انسان سے براہ راست کلام کرتا ہے تو یہ تصور قرآن کے یکسر خلاف اور ختم نبوت کی نقیض ہے. خدا انسانوں سے صرف وحی کے ذریعے کلام کرتا ہے. انبیاء کو وحی خدا کی طرف سے براہ راست ملتی ہے اور غیر انبیاء تک یہ وحی انبیاء کی وساطت سے پہنچتی ہے. وحی آخری مرتبہ نبی اکرمؐ پر آ گئی. اب (حضورؐ کے بعد) خدا، انسانوں سے صرف قرآن کے ذریعے باتیں کرتا ہے: اس کے علاوہ خدا سے ہم کلامی کا کوئی اور طریق نہیں. کشف و الہام کا عقیدہ مہر نبوت کو توڑنے کے لئے وضع کیا گیا تھا اور یہی وہ کھڑکی ہے جس کے راستے کاذب مدعیانِ نبوت امت کے لئے وجہ غارت گری دین و دانش بنتے رہے ہیں.

حدس اور الہام میں بڑا فرق ہے حدس (INTUITION) کو کہتے ہیں. اور اس کے متعلق برگساں کا قول ہے (جو INTUITION کا بہت بڑا حامی ہے) کہ یہ عقل (INTELLECT)

ہی کے ایک اعلیٰ درجہ کا نام ہے۔ انسان کے دل میں بیٹھے بیٹھے یونہی ایک خیال آجاتا ہے۔ اور وہ بعض اوقات ٹھیک بھی نکل آتا ہے۔ اسے حدس کہتے ہیں۔ "خیال" کے متعلق ابھی انسانی علم بڑا سطحی سا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس میں انسان کے شعور کا کس قدر دخل ہوتا ہے اور لاشعور کا کس قدر۔ جس خیال میں شعور کا عنصر غالب ہو۔ اس کے متعلق ہم کہہ دیتے ہیں کہ وہ ہماری عقل (REASON) کا تخلیق ہے۔ لیکن جس خیال میں لاشعور کا عنصر زیادہ ہو تو اسے ہم حدس سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ شعور اور لاشعور کی یہ تفریق و تحدید بھی ہنوز اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ نہ جانے آگے چل کر اس کے متعلق بھی کیا کیا انکشافات ہوں گے۔ لہٰذا حدس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ الہام ہے۔ یعنی خدا کا بندے سے ہمکلام ہونا، درست نہیں ہے۔ حدس میں تو کافر و مومن اور مشرک و موحد کی بھی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ کون سا انسان ہے جسکے دل میں یونہی بیٹھے بیٹھے کوئی خیال نہیں آجایا کرتا؟ تو کیا اس چیز کے متعلق یہی سمجھا جائے کہ یہ خدا کی طرف سے انکشافِ حقیقت ہوا ہے۔ (اسی طرح جس طرح انبیاء پر انکشافِ حقیقت ہوا کرتا تھا)۔ لہٰذا سورہ شوریٰ کی زیر نظر آیت میں الہام کا کوئی ذکر نہیں۔ خدا سے براہِ راست انکشافِ حقیقت کا دروازہ بند ہو گیا (اسے ختم نبوت کہتے ہیں) اب انسانوں کے پاس خدا کا کلام قرآن کے اندر ہے۔ اس کے علاوہ ذریعہ علم عقل ہے۔ قرآن کی روشنی اور عقل کی آنکھ ان دونوں سے مل کر جو علم حاصل ہو، وہی حقیقت ہے۔ باقی افسانے ہیں۔ خواہ وہ مغرب کے انکشافات ہوں یا مشرق کے الہامات (اس ضمن میں بہتر ہو کہ دسمبر ۱۹۵۴ء میں شائع شدہ "سلیم کے نام خط" بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ جس میں تصوف کی حقیقت اور ماخذ سے بحث کی گئی ہے)۔

آپ طلوع اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں

اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنایئے

اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے

کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے۔

اپنے علاقے سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے۔

طلوع اسلام کا دفتر

۱/۲۳۰ فاؤلرز لائن نیپیر بیرکس میں واقع ہے صدر کی طرف سے آنیوالے حضرات نیپیر بارکس میں داخل ہو کر بجائے سیدھے جناح ہسپتال جانے کے بائیں ہاتھ ڈرگ روڈ کی طرف مڑ جائیں تو تھوڑے فاصلہ پر بائیں ہاتھ کو پی ڈبلیو۔ ڈی کے انکوائری آفس کے عقب میں طلوع اسلام کا دفتر ہے۔ اسی دفتر میں ہر اتوار کو صبح ۸ بجے محترم پرویز صاحب قرآن پر لیکچر دیتے ہیں۔

وِراثت و وَصیّت

محترم عبدالماجد صاحب دریابادی کے اخبار صدق (بابت ۳۰ مئی ۱۹۵۵ء) میں حسب ذیل استفسار اور اس کا جواب شائع ہوا ہے۔

"اب تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن ادارہ طلوع اسلام کراچی کی شائع کردہ ایک کتاب میں مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ کر تعجب ہوا امید ہے کہ جناب صدق جدید کے صفحات میں اظہار خیال فرمائیں گے۔

"مقام صد حیرت ہے کہ مسلمانوں کا "مسلّمہ" قانون وراثت کس قدر قرآن کے خلاف ہے اور یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قانون وراثت ہم میں صدیوں سے چلا آرہا ہے اس پر سوائے اس کے کہ انسان سر پکڑ کر بیٹھ جائے اور کیا کرے۔ اس قانون میں یا تو سرے سے وصیت کی اجازت ہی نہیں۔ اور اگر اجازت ہے تو صرف تہائی مال میں اور وہ بھی وارثین کے لئے نہیں اور یا للعجب! کہ اس قانون کو منسوب کیا جاتا ہے اس ذات گرامی کی طرف جس کی حیات طیبہ کا ایک ایک سانس قرآن کی اتباع میں گزرا اور یہ صرف اس لئے کہ بدقسمتی سے ہمارے مجموعہ روایات میں کسی طرح سے دو چار روایتیں اس قسم کی شامل ہو گئیں۔ اب رواۃ پرستی کا تقاضا تھا کہ ان روایات کو صحیح سمجھا جائے خواہ اس سے قرآن کریم کے صریح احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ اور خواہ اس سے حضور صاحب قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) کی ذات اقدس پر بھی طعن کیوں نہ آئے آپ اس کا خیال بھی کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم وصیت کو فرض قرار دے اور بلا شرط یعنی پورے مال میں وصیت کا حق دے (اور اس کی تاکید کرے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ نہیں یہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی غیر وارثین کے لئے۔ خدا کے حکم میں ایسا رد و بدل یقیناً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان اقدس کے سخت خلاف ہے۔ لیکن با ایں ہمہ ہمارے یہاں یہ "قانون" موجود ہے اور صدیوں سے اس پر امت کا عمل ہوتا چلا آرہا ہے"۔

ابوالبقا از خانپور۔ ریاست بہاولپور (پاکستان)

صدق | بات صاف اور سیدھی سی ہے۔ انکار حدیث کے پروپیگنڈے نے لے خواہ مخواہ ایک "مہیب" مسئلہ کی شکل دے دی ہے۔

قرآن مجید کے دو مختلف موقعوں کی آیتوں میں دو مختلف حکم ملتے ہیں۔ پہلی آیت سورہ البقرۃ (پ ۲) میں نمبر ۱۸۰ پر ہے اس میں حکم یہ ہے کہ قبل موت اپنے مال میں وصیت کر جاؤ۔ دوسری آیت سورۃ النساء (پ ۴) میں ۱۱ پر۔ اس میں حکم ہے کہ تمہارے ترکہ میں تمہارے وارثوں کے لئے فلاں فلاں حصہ مقرر ہیں۔ پہلے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان آزاد ہے کہ اپنے ترکہ کے بارے میں جو ہدایتیں چاہے دے جائے۔ دوسرے حکم سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ آزاد نہیں۔ سب وارثوں کے حصہ متعین و مقرر ہیں۔ دونوں احکام بہ ظاہر متضاد ہیں۔ پھر ان پر عمل کی کیا صورت ہو سکتی ہے!

صورت صرف یہ ہے کہ حکم سابق پر حکم مابعد کی روشنی میں اور اس کے ماتحت عمل کیا جائے۔ اور یہ مسلم ہے کہ وصیت والا حکم مقدم ہے اور میراث والا حکم اس سے متاخر۔ تو قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ وصیت اب بھی جائز رہے گی۔ لیکن اجراء احکام میراث کے بعد ـــ حکم وصیت اصلاً اس وقت کے لئے تھا، جو نسبتاً آغاز اسلام کا دور تھا۔ اور احکام شریعت اس وقت تک مکمل نہیں ہوئے تھے۔

احکام کی اس عقلی ترتیب و تنظیم کو اسی رعایت تقدم و تاخر کو قدیم مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ جس میں کوئی بات نہ تمسخر کی ہے نہ طنز و تعریض کی۔

اب رہا یہ کہ کل مال کے کتنے حصہ میں میراث جاری ہو گی اور کتنے میں وصیت چل سکے گی۔ شارع و شارح وحی کے فرائض میں اس کا بتانا داخل تھا۔ چنانچہ مستند راویوں کی شہادت سے معلوم ہوا کہ آپ نے وصیت کی صورت میں ⅔ حصہ میراث کے لئے رہنے دیا ہے۔ اور صرف ⅓ حصہ میں وصیت چلائی ہے۔ اور وصیت کا حکم بھی وجوبی نہیں اختیاری ہے۔ چنانچہ آنحضور صلعم نے کوئی مالی وصیت نہیں فرمائی۔

اس عادلانہ و حکیمانہ قانون کو خدا کے احکام میں رد و بدل سے تعبیر صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کے ہاں عین فقاہت و فہم سلیم کا نام "رواۃ پرستی" ہے اور جن کے ہاں دنیا کے مستند ترین تاریخی وثائق کی کائنات کل اتنی ہے کہ ہمارے مجموعہ روایات میں کسی طرح دو چار روایتیں اس قسم کی شامل ہو گئیں"۔

آپ نے محترم دریابادی صاحب کے جواب پر غور فرمایا (یاد رہے کہ انھوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے) ان کا کہنا یہ ہے کہ

(۱) قرآن نے پہلے کل ترکہ کے لئے وصیت کرنے کا حکم دیا اور اسے فرض قرار دیا۔

(۲) پھر ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے۔

(۳) اس طرح قرآن میں دو متضاد حکم موجود ہو گئے۔ جن میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں تھی۔

(۴) ان میں تطبیق کی صورت رسول اللہ نے پیدا کی یعنی آپ نے فرمایا کہ ⅓ مال میں وصیت کر دیا کرو (اور یہ محض اختیاری چیز ہے اور ورثاء کے لئے نہیں ہے) اور باقی ⅔ مال کو خدا کے مقرر کئے ہوئے حصوں کے مطابق تقسیم کر لیا کرو۔

(۵) اس طرح خدا کا دیا ہوا پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور اب عمل اس حکم پر ہو رہا ہے۔ جو رسول اللہ نے دیا تھا۔

یہ اس قرآن کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ جس کا اعلان ہے

(اور اس اعلان کو یہ تمام مولوی صاحبان خود محراب و منبر سے گلا پھاڑ پھاڑ کر دہراتے رہتے ہیں) کہ اس کی تعلیم بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس کی ایک آیت (ایک حکم) کی مثل آیت نہیں بنا سکتے۔ اور ان حضرات کا یہ ارشاد ایسے حکم کے متعلق ہے۔ جو ایک اہم قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ جس کتاب میں (ان مولویوں کے کہنے کے مطابق) قوانین بھی اس انداز سے دیئے گئے ہوں، اسے کوئی صاحب ہوش ایک بے مثل و بے نظیر ضابطۂ حیات ماننے کے لئے تیار ہوگا۔؟ اور آپ یہ بھی سوچئے کہ جس قرآن کے متعلق آپ کا عقیدہ یہ ہو کہ اس میں اس قسم کے احکام ہیں اس کی کس قدر عظمت و تقدیس آپ کے دل میں باقی رہیگی یہی وجہ ہے کہ ان مولوی صاحبان کے دل میں قرآن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

اب دیکھئے کہ قرآن نے اس باب میں ارشاد کیا فرمایا ہو اس کا حکم یہ ہے۔

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۲/۱۸۰)

تم پر فرض قرار دیدیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو اور وہ مال چھوڑ کر مر رہا ہو تو وہ اپنے والدین اور دیگر اقربا کے لئے وصیت کرے

ایسا کرنا متقیوں پر لازم ہے۔

یہ ہے ترکہ کے لئے وصیت کا حکم خداوندی، جس کے متعلق شروع میں کہا کہ یہ خود تم پر فرض ہے۔ اور پھر آخر میں مزید تاکید کے لئے کہا کہ ایسا کرنا تم پر لازم ہے۔ جو ایسا نہیں کرے گا وہ متقی نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ سورۂ مائدہ میں تفصیلی طور پر بتایا کہ اس وصیت کے لئے گواہ بھی ہونے چاہئیں (۵/۱۰۶-۱۰۷)

(۲) سورۂ نساء میں جہاں والدین اور اقربین کے لئے ترکہ کے حصے مذکور ہیں وہاں صاف الفاظ میں لکھا ہے مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (۴/۱۱-۱۲) یعنی جو وصیت مرنے والے نے کی ہو یا جو قرضہ اس کے ذمہ ہو۔ اس کے بعد جو باقی بچ جائیں۔ اس کے لئے یہ حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں

واضح رہے کہ قرآن نے ان دو آیتوں میں چار مرتبہ ان الفاظ کو دہرایا ہے کہ تقسیم مرنے والے کی وصیت اور قرضے کے بعد عمل میں آئے گی۔

بات صاف ہے کہ اگر اس کی وصیت ایسی ہو جس سے پورا مال (COVER) نہ ہوتا ہو تو باقی ماندہ مال کی تقسیم کے لئے خود قرآن نے حصے مقرر کر دیئے (ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کی موت اچانک واقع ہو جاتی ہے اور اسے وصیت کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے) اس صورت میں بھی قرآنی تقسیم کا حکم نافذ ہو جائے گا۔

اب آپ غور کیجئے کہ کیا قرآن کے یہ دو حکم ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ جو ان میں سے ایک کو منسوخ تسلیم کیا جائے یا ان میں تطبیق دینے کے لئے یہ کہا جائے کہ وصیت سے اللہ میاں کی مراد ⅓ مال میں وصیت ہے اور وہ بھی ورثا کے لئے نہیں، کیا یہ احکام ایک دوسرے کی تنسیخ کے لئے ہیں یا ایک حکم دوسرے کی تکمیل کر رہا ہے؟

دریابادی صاحب فرماتے ہیں کہ "یہ مسلّم ہے کہ وصیت والا حکم مقدم ہے۔ اور میراث والا حکم اس سے متاخر۔ تو قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ وصیت اب بھی جائز رہے گی۔ لیکن اجراء احکام میراث کے بعد" یعنی اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اجراء احکام میراث ہوگا مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ وصیت کے بعد۔ لیکن ہمارے یہ مفسرین قرآن فرماتے ہیں کہ نہیں کہ جو ترتیب اللہ میاں نے بتائی ہے وہ (معاذ اللہ) درست نہیں۔ درست (اور قدرتی نتیجہ کے مطابق) ترتیب یہی ہے کہ جیسے ہم بیان فرماتے ہیں۔ یعنی وصیت کا عملدرآمد ہوگا۔ اجرائے احکام میراث کے بعد۔ کتنا بڑا احسان ہے ان حضرات کا اللہ میاں پر کہ یہ اس کی (معاذ اللہ) غلط ترتیبوں کو درست کر دیتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام کشمکش۔ قرآنی آیات کی یہ تمام کھینچا تانی۔ اللہ میاں کے متعلق (معاذ اللہ) اس قسم کا تصور ناسخ و منسوخ کا جیسا کہ کپا دینے والا عقیدہ، یہ سب کچھ کس بناء پر ہے؟ دو تین حدیثوں کی بناء پر جن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی ورثا کے لئے نہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ یہ حدیثیں خود رسول اللہ نے امت کو نہیں دیں۔ حضور کے خلفاء نے بھی نہیں دیں۔ حضور کی وفات کے دو تین سو سال بعد لوگوں نے اپنے طور پر ان باتوں کو جمع کیا۔ جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا تھا۔ یہ ہیں وہ روایات جن کی بناء پر قرآن جیسی کتاب عظیم کے متعلق یہ کچھ سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ قرآن ہی کے متعلق نہیں بلکہ حضور نبی اکرمؐ کے متعلق بھی اس قسم کا عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ تم پورے ترکہ میں وصیت کرو۔ یہ تم پر فرض ہے اور رسول اللہؐ (معاذ اللہ) حکم دیتے تھے کہ نہیں تم صرف ایک تہائی مال میں وصیت کرو۔ اور یہ بھی لازمی نہیں اختیاری ہے جی چاہے کرو، جی چاہے نہ کرو۔

آخر میں ہمارے مفسر دریابادی صاحب فرماتے ہیں کہ خود رسول اللہ نے کوئی مالی وصیت نہیں فرمائی" (بلکہ ایک فٹ نوٹ میں اس بات کو ان الفاظ میں دہرایا ہے کہ "یہ اگر قرآن کا مقرر کیا ہوا "فرض" تھا۔ تو خود صاحب قرآن نے کس حد تک اس "فرض" کو ادا کیا؟ کونسی وصیت آپ اپنے مال کے متعلق فرما گئے"؟)

جب یہ حضرات، ذات رسالتماب (فداہ ابی و امی) کے خلاف اس قسم کا طعن کرتے ہیں۔ تو ہم آپ کو بتا نہیں سکتے کہ ہم پر کیا گذرتی ہے۔ جی یہ چاہتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے متعلق اس قسم کے جگر پاش الفاظ سنیں جن کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک سانس احکام خداوندی کی اطاعت و تبلیغ میں گذرتا تھا، ہم اپنے کلیجے میں چھرا بھونک کر مر جائیں و کنت نسیاً منسیاً۔ یہ دریابادی صاحب ہم سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تمہارے رسول نے اس فریضۂ خداوندی کو کس حد تک ادا کیا تھا؟

یہ بات کوئی پادری نند ر پوچھتا۔ کوئی مہاشے رام چندر پوچھتا تو ہمیں اتنا رنج نہ ہوتا۔ اسے پوچھتے ہیں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی، مفسر قرآن!

بسے محمدؐ اگر قیامت را برآری سر ز خاک
سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں!

حضرت مولانا! اگر آپ کا ایمان بالرسول اس کی اجازت دیتا ہے تو آپ بڑے شوق سے رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی پر اعتراضات کرتے رہیئے (تاکہ آپ کے معبود دروازہ پر کسی قسم کی زد نہ پڑے) ہم (جو اس ذاتِ گرامی کو انا اول المسلمین کے بلند ترین مقام پر فائز سمجھتے ہیں) ان اعتراضات کا جواب دیں گے، سنئے۔

قرآن نے جہاں وصیت کو فرض قرار دیا ہے تو یہ کہہ کر قرار دیا ہے کہ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اگر تم مال چھوڑ کر مرو تو۔۔۔۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وصیت کرنا اس پر فرض ہوگا۔ جس کے پاس وصیت کے لئے مال ہوگا۔ اور رسول اللہؐ کے متعلق ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ

ما ترک رسول اللہ صلعم دیناراً ولا درھماً ولا بعیراً ولا شاۃ

رسول اللہ صلعم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم۔ اور نہ اونٹ اور نہ بکری۔

اس کے بعد فرمایئے کہ حضور وصیت کس مال کے لئے کرتے؟

واضح رہے کہ یہ حدیث اس تصور کے عین مطابق ہے جو قرآن نے ایک رسول (بلکہ جماعت مومنین) کی بلند ترین زندگی کے متعلق پیش کیا ہے (ہمارے دریابادی صاحب تو اس بات کو کیا سمجھیں گے ہم قارئین طلوع اسلام کے لئے یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کی رو سے قرآنی معاشرہ جب اپنی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ تو اس میں املاک جائداد اور مال و متاع کی انفرادی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس مقام پر پہنچ کر وصیت اور وراثت کے احکام بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہ احکام عبوری دور سے متعلق ہیں جب وہ معاشرہ ہنوز اپنی تکمیل تک نہیں پہنچا تھا رسول اللہ کی زندگی اس معاشرہ کی انتہائی (تکمیل یافتہ) شکل کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ لہذا اس کے پاس کوئی مال و دولت نہیں ہوتا۔ اور وہ کھلے بندوں اعلان کرتا ہے کہ کا نورث ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ یہ چھوٹی موٹی روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی) جو ہم چھوڑ جاتے ہیں تو وہ عام مسلمانوں کا حق ہوتی ہیں۔ ما ترکنا صدقۃ۔

یہ مولوی صاحبان، رسولؐ کا اپنے پر قیاس کرتے ہیں جو مال و دولت کے لئے رسول کی وصیت ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ انہیں کون بتائے کہ "اتباع سنت" کے معنی کیا اور کیا نہیں کچھ اور ہیں۔

نوجوانوں کیلئے فکر و نظر کی
نئی راہیں
"سلیم کے نام"
از:- پرویز

باب المراسلات

باذن اللہ تحصیل صوابی سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ سورۂ یونس میں ہے اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اے رسول) تو کیا لوگوں کو مجبور کردے گا حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں (حالانکہ) کوئی شخص بغیر اذن خداوندی ایمان نہیں لا سکتا؟ سو اگر کوئی شخص خدا کے حکم کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔ تو پھر کافروں کا کیا قصور ہے کہ انھیں جہنم کا عذاب دیا جائے؟ اگر خدا کا حکم ہوتا تو وہ ضرور ایمان لے آتے

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس آیت میں اذن کے معنی حکم یا اجازت کے لئے جائیں۔ تو اس سے وہی مفہوم پیدا ہوتا ہے جو محترم مستفسر نے بیان کیا ہے اور اس مفہوم پر وہ تمام اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ جن کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے لیکن اذن کے معنی حکم یا اجازت نہیں بلکہ۔ قانون خداوندی کے ہیں۔ اس کی تائید خود قرآن سے ہوتی ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں کہ بارش اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتی ہے سورج کی حرارت سے سمندر کے بخارات اٹھتے ہیں۔ چونکہ یہ بخارات ہوا سے ہلکے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ اوپر چڑھ جاتے اور آگے کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ کسی ایسے خطہ میں پہنچتے ہیں جہاں فضا کی برودت (ٹھنڈک) زیادہ ہوتی ہے تو وہ بخارات دوبارہ پانی بن جاتے ہیں۔ اور پانی چونکہ ہوا سے بھاری ہوتا ہے اس لئے وہ نیچے کی طرف گرتا ہے اسے بارش کہتے ہیں۔ یہ سب ایک ایسے متعین قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ آب و ہوا کا محکمہ (METEOROLOGICAL DEPT) قبل از وقت بتا دیتا ہے کہ بارش کب اور کہاں ہوگی۔ اگر انسان کے اس اندازے میں کہیں غلطی ہوتی ہے تو وہ ان کی کوتاہی علم کا نتیجہ یا بعض اوقات ایسے غیر متوقع فضائی تغیرات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جن کے متعلق پہلے اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بارش خدا کے مقرر کردہ قانون طبعی کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن قرآن میں اس کے لئے اذن کا لفظ آیا ہے۔ کہ وہ حج میں ہے وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲۲/۶۵) اور وہ (خدا) بارش کو روکے رکھتا ہے کہ وہ زمین پر نہ آ گرے۔ بجز اس کے اذن کے۔ یعنی خدا کے مقرر کردہ قانون کے بغیر۔

اذن کا یہی مطلب سورہ یونس کی مذکورہ صدر آیت میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا۔ رسول اللہ کی بڑی آرزو تھی کہ تمام مخالفین ایمان لے آئیں۔ اور اس طرح اپنی غلط روش کی ہلاکت سامانیوں سے بچ جائیں۔ وہ ایک طبیب مشفق کی طرح ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر کڑھا کرتے تھے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور سے فرمایا کہ تم اس کے لئے کبیدہ خاطر ست ہو کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہتے کہ تمام لوگ ایک ہی روش پر چلنے لگیں تو ہمارے لئے کیا مشکل تھا کہ ہم سب کو پیدا ہی اس طرح کرتے کہ وہ سب مومن ہوتے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم نے انسان کو ارادہ اور اختیار دیا ہے کہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرلے ہم اس کا یہ اختیار و ارادہ سلب نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں۔ جب ہم نے ایسا نہیں کیا تو (اے رسول) تم بھی انھیں زبردستی مومن نہیں بنا سکتے (اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ) اس میں زبردستی کا سوال ہی نہیں۔ کفر اور ایمان کے لئے ہم نے ایک قانون مقرر کر رکھا ہے اور کوئی شخص اس قانون کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا (وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ) وہ قانون یہ ہے کہ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (۱۰/۱۰۰) جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ ان پر معاملہ مشتبہ رہ جاتا ہے اور وہ التباس و اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لئے ایمان نہیں لاتے۔ اور جو لوگ عقل و بصیرت سے کام لے کر کائنات اور قرآن پر غور کرتے ہیں وہ ایمان لے آتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ انھیں مار مار کر مسلمان نہیں بنایا جا سکتا ہمارا کام یہ ہے کہ ہم انسان کو صحیح اور غلط راستے واضح طور پر بتا دیں۔ اس کے بعد یہ انسان کے اپنے فیصلے کی چیز ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (۷۶/۳) ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کرے اور جی چاہے تو اس سے انکار کردے اور دوسری راہ پر چل نکلے۔ دوسری جگہ ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (۱۸/۲۹) جس کا جی چاہے ایمان لے آئے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کردے ان مقامات (اور قرآن کے دیگر بے شمار مقامات) سے یہ واضح ہے کہ سورۂ یونس کی زیر نظر آیت میں "اذن اللہ" سے مراد یہ نہیں کہ خدا کے حکم یا اجازت کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا۔ خدا نے انسان کو صاحب اختیار پیدا کیا ہے اور کفر و ایمان کا فیصلہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ البتہ اس کے لئے ایک قانون مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ قانون یہ ہے کہ جو عقل و بصیرت سے کام لے گا اس پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ جو آنکھیں بند کر لیگا وہ سورج کی روشنی سے محروم رہ جائے گا۔ قرآن کی ساری تعلیم کی بنیاد ہی انسان کے اختیار و ارادہ اور کائنات میں قاعدہ اور قانون کے محکم تصور پر ہے۔ اس لئے اس کی آیات کا صحیح مفہوم اس بنیادی اصول کی روشنی میں متعین ہوگا۔

بین الاقوامی جائزہ

فارموسا کا معاملہ بدستور معلق ہے۔ مگر اس کے لئے بڑی تگ و دو ہو رہی ہے۔ بنڈونگ کانفرنس کے موقعہ پر سرخ چین کے وزیر اعظم چو این لائی نے امریکہ سے براہ راست گفتگو کی تجویز ہندوستان کی معرفت بھجوانے کی بجائے ہمارے وزیر اعظم کی معرفت امریکہ تک پہنچائی تھی۔ اس خلاف توقع اقدام کی توجیہ بعض حلقوں میں یہ کی جا رہی ہے کہ چین یہ چاہتا ہے کہ مذاکرات ایسے ملک کی وساطت سے کئے جائیں جس کی امریکہ میں اچھی ساکھ ہو۔ ہندوستان یوں پس منظر میں جانا کہاں گوارا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا نمائندہ کرشنا مینن پیکن بھیجا۔ ادھر پنڈت نہرو نے ماسکو جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا کہ ان ملاقاتوں کے بعد ہندوستان ہی چین اور روس کے مزاج کا صحیح اندازہ دان ہوگا۔ اور وہی حتم و یقین سے بات کر سکے گا۔

مسٹر کرشنا مینن پیکن سے واپس آ گئے ہیں اور اب وہ انگلستان اور امریکہ جائیں گے۔ کہا گیا ہے کہ وہ کوئی فارمولا تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور چین اور امریکہ کی براہ راست گفتگو کی بجائے وہ کئی قوموں کی مشترکہ کانفرنس طلب کرنے کے حق میں ہیں۔ نیز وہ یہ چاہتے ہیں کہ نیشنلسٹ چین چھوٹے چھوٹے ساحلی جزائر کو خالی کر دے اور سرخ چین فارموسا کے متعلق جنگ چھیڑنے کی بجائے پر امن فضا پیدا کرے۔ انڈونیشیا کے وزیر اعظم علی ساستروی جو جو بھی مفاہمت کے خیال سے پیکن پہنچ گئے ہیں قائدین چین سے ابتدائی ملاقاتوں کے بعد انھوں نے نتیجے سے متعلق حسن ظن کا اظہار کیا ہے۔ اس بھاگ دوڑ کا وقتی طور پر یہ فائدہ ضرور پہنچا ہے کہ کشیدگی زیادہ نہیں بڑھی۔

اگر مشرق بعید میں امن کی فضا برقرار نظر آتی ہے تو یورپ میں بھی امن کے لئے کافی دوڑ دھوپ شروع ہو گئی ہے۔ روسی وزیر خارجہ مالوٹوف نے امریکہ، برطانیہ اور فرانس کو باقاعدہ جواب دے دیا ہے اور اعلیٰ کانفرنس پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ انھوں نے یہ زور دیا ہے کہ متوقع ملاقات آسٹریا میں ہو۔ اقوام مغرب اس کے لئے تیار نہیں۔ مقام اور تاریخوں کے متعلق ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ لیکن امریکہ لوزان (سوئٹزرلینڈ) کے مقام پر جولائی کے تیسرے ہفتہ میں اجتماع کا متمنی ہے۔

امن کی اس ظاہری فضا میں ہو سکتا ہے کہ روس اور اقوام مغرب میں کشیدگی کی ایک نئی صورت پیدا ہو جائے۔ آسٹریا کا معاہدہ طے ہو جانے کی وجہ سے اقوام مغرب کی فوجیں وہاں سے واپس آ جائیں گی۔ اٹلی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ناٹو کی دفاعی ضرورت کے پیش نظر امریکہ اپنی فوجیں اٹلی میں رکھے۔ مغرب کے نقطہ نگاہ سے یہ تجویز مفید ہے اور امریکہ اس پر ضرور عمل درآمد کرنا چاہے گا۔ کیونکہ آس سے آسٹریا کے ہاتھ سے نکل جانے کی تلافی ہو جائے گی۔ لیکن روس بالکل پسند نہیں کرتا کہ امریکی فوجوں کو اس قدر قریب ایک اڈہ مل جائے۔ چنانچہ اس نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس نے اعلیٰ کانفرنس کی دعوت قبول کرتے ہوئے امریکہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ مفاہمت پر آمادہ نہیں بلکہ قوت سے مسائل کا حل چاہتا ہے۔ بہر حال اب عالمی توجہ کا مرکز اعلیٰ کانفرنس ہو گئی ہے۔ اور کانفرنس کے انعقاد تک بین الاقوامی سیاست کا چلن اسی کے مطابق ہوگا۔

ہندوستان نے گوا کے خلاف پھر طوفان کھڑا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایک طرف گوا میں "استبداد اور تشدد" کی داستانوں کا چرچا ہو رہا ہے۔ اور دوسری طرف تیاریاں ہو رہی ہیں کہ رضاکار گوا پر حملہ کریں اور بھاری تعداد میں وہاں جائیں اور ستیہ گرہ کریں۔ پرتگال لامحالہ ایسے رضاکاروں کو گوا کی سرحد میں داخل ہونے سے روکے گا لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو اس کے خلاف یہ مہم تیز تر ہو جائے گی کہ وہ پر امن رضاکاروں پر ظلم کر رہا ہے۔ مشرقی پنجاب میں سکھوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ بھی بدستور جاری ہے۔ سرکاری اطلاع کے مطابق گرفتار شدگان کی تعداد چودہ سو ہے۔ یہ سلسلہ دار و گیر اس لئے شروع ہوا ہے کہ سکھوں کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ پنجابی صوبہ کے حق میں نعرے بلند کر سکیں۔ چنانچہ انھوں نے نعروں کا سلسلہ شروع کیا اور حکومت نے گرفتاریوں کا۔

عالم اسلامی

ٹیونس کی داخلی آزادی کے معاہدے پر دستخط ہو گئے ہیں لیکن اس کی تفصیلات شائع نہیں ہوئیں۔ گو اندرون ملک ایسا طبقہ موجود ہے جو اس محدود آزادی کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھتا اور مکمل آزادی کا طالب ہے۔ لیکن داخلی آزادی کو بالعموم قبول کیا گیا ہے اور عمومی اطمینان کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس معاہدے سے ٹیونس کی فضا تو پر امن ہوتی نظر آتی ہے۔ لیکن ہمسایہ علاقوں بالخصوص الجزائر میں صورت حال تشویشناک ہو گئی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ٹیونس کی داخلی آزادی الجزائر کے لئے سخت ترغلامی کا پیش خیمہ ثابت ہو جائے گی۔

فرانس ٹیونس سے بے فکر سا ہو کر اپنی توجہ الجزائر پر مرکوز کر رہا ہے۔ جہاں مجاہدین حریت نے جنگ آزادی کو تیز تر کر دیا ہے، ان کا اضطراب بالکل قابل فہم ہے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ فرانس جو مراعات ٹیونس کو دے گا وہی ان کو دے گا۔ لیکن عملاً ہوا یہ ہے کہ ٹیونس سے مذاکرات ختم کرنے کے بعد فرانس نے اپنی افواج کا ہجوم الجزائر میں کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے ٹیونس سے فوجیں واپس بلانا شروع کر دی ہیں اور یورپ سے ناٹو کی تحویل سے بھی فوجیں واپس لے کر الجزائر میں بھیج رہا ہے، چنانچہ اب تک اسکی فوجوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ حالانکہ باغی جو اپنے آپ کو خدائی فوج کہلاتے ہیں۔ بمشکل پندرہ سو کی تعداد میں ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ فرانس الجزائر کی تحریک آزادی کو فوجی قوت سے کچل دینے کا تہیہ کر چکا ہے۔ لیکن اس کا نقصان بالآخر فرانس کو پہونچے گا اور اس نقصان کا خمیازہ فرانس کے حلیفوں کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اقوام مغرب میں فرانس ایک کمزور قوم ہے۔ وہ ہند چینی کی جنگ میں الجھا ہوا تھا تو اس سے اتحاد یورپ کے منصوبے میں طرح طرح کے رخنے پڑتے رہے چنانچہ دو سال کی تگ و دو کے بعد اس منصوبہ کو دفن کر دینا پڑا۔ اب خدا خدا کر کے مغربی یورپ کے نئے اتحاد کی طرح پڑی ہے۔ لیکن اگر فرانس سمندر پار کے علاقوں میں ہند چینی کی طرح الجھا رہا تو وہ مجوزہ اتحاد کی کمزور کڑی ثابت ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس کی عملی شکل میں پھر سے مداخلات پیدا ہو جائیں۔ یہ صورت حال روس کے نزدیک خوش آئند ہوگی۔ فرانس کے خلاف مغرب اقصیٰ میں ہی ہیجان و اضطراب نہیں پایا جاتا۔ بلکہ شمال مغربی افریقہ کے علاقہ کیمرون میں بھی اس کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی ہے۔ اب اس آگ کے دائماً فرو ہونے کے امکانات کالعدم ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فرانس وقتی طور پر اس آگ کو دبا دے۔ لیکن انجام کار اس میں وہی خاکستر ہوگا۔ ہند چینی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ فرانس کے حلیفوں کو بڑی سنجیدگی سے اس صورت حال کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اگر شمالی اور شمال مغربی افریقہ میں بدامنی بڑھتی گئی تو امریکہ کی عالمی دفاعی تنظیموں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچے گا۔ اگر امریکہ اس خطرہ کو ابھی سے بھانپ لے تو وہ اس کا بر وقت تدارک کر سکتا ہے

افغانستان کا مسئلہ بدستور درد سر بنا ہوا ہے گو سعودی عربیہ کے "سفیر مصالحت" مساعد بن عبدالرحمٰن نے اعلان کیا ہے کہ اصولوں پر مفاہمت ہو گئی ہے جب تک اس معاہدہ کی تفاصیل منظر عام پر نہیں آتیں۔ اس وقت تک تبصرہ ممکن نہیں۔ البتہ کابل کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ حکمراں طبقہ کی ذہنیت میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں آئی۔ وہ اب تک روس سے اپنی امیدیں وابستہ کر رہا ہے اور اسی کے ذریعہ بیرونی دنیا سے تجارتی روابط استوار کرنے کی جنت الحمقاء کے خواب دیکھ رہا ہے۔

گو ہنوز مساعی مصالحت کے نتیجہ کا اعلان نہیں ہوا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر افغانستان ان مساعی کو ٹھکرا دے تو پھر کیا ہوگا؟ پاکستان تو بہر حال اس کے منطقی نتیجے کے مطابق عمل کرے گا۔ لیکن کیا صلح کرانے والوں نے سوچا ہے کہ ان پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے؟ ناکامی کی صورت میں نہ محض پاکستان اور افغانستان کے تعلقات درکشیدہ ہو جائیں گے بلکہ افغانستان کھلم کھلا روس کی طرف جھک جائے گا۔ اس میں افغانستان کا جو حشر ہوگا سو ہوگا۔ اس سے عالم اسلامی کے لئے روسی خطرہ زیادہ حقیقی ہو جائے گا۔ اس کا علاج اتحاد باہمی میں ہے۔ جس کی داغ بیل پاکستان، عراق اور ترکی نے ڈال دی ہے۔ اس راز کو نہ سمجھا گیا تو اس کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے۔ مسلمان ممالک نے روس کے خطرے کا ابھی صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا۔ ورنہ وہ افغانستان کے موجودہ رویہ کو محض پاکستان اور افغانستان کا داخلی نزاع سمجھ کر یوں آرام سے نہ بیٹھے رہتے

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے تقریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش۔ قیمت بیس روپے۔

ابلیس و آدم از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصہ آدم ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۷ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء، اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۲۰۸ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۲۲۵ صفحات قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ چار سو آٹھ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ۸۴ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول، مزاج شناس کون ہیں اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۸ صفحات اور قیمت فی جلد چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ جلد اول ۴۰۴ صفحات۔ جلد دوم ۴۱۶ صفحات اور قیمت فی جلد چار روپے

فردوس گم گشتہ از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۶ صفحات قیمت چھ روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔ صفحات ۱۹۲ قیمت ڈیڑھ روپے

نظام ربوبیت (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور۔ دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت سوا تین سو صفحے۔

قیمت قسم اول چھ روپے

قسم دوم چار روپے

اقبال اور قرآن (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

نوٹ:۔ تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی

ذاتی ملکیت

کا اُصول

مُلّا کے نزدیک بڑا مقدس ہے

لیکن

اس کے بارے میں

قرآن کا حکم کیا ہے

اس کی تفصیل

نظام ربوبیت

میں دیکھئے۔

طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے مندرجہ ذیل پرچے دفتر میں موجود ہیں۔

سنہ ۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
سنہ ۱۹۵۰ء	نومبر
سنہ ۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
سنہ ۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
سنہ ۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
سنہ ۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے

خواہشمند حضرات

اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

اندرونِ ہند

حیدرآباد (دکن) کی ایک اطلاع سے پتہ چلتا ہے کہ ریاستی جمیعۃ علماء ماہرین معاشیات و منصوبہ بندی کا ایک اجتماع اس غرض کے لئے منعقد کر رہی ہے کہ ریاست حیدرآباد میں مسلمانوں کی بے روزگاری کا کیا مداوا کیا جا سکتا ہے۔ حیدرآباد میں ہندوستان کا فوجی تسلط ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا۔ اس وقت سے کر اب تک مسلمانوں پر منظم طریق پر معیشت کا دائرہ تنگ کیا گیا ہے۔ حیدرآباد کو تو حیرا زادی کا خواب دیکھنے کی سزا ملی ہے۔ ورنہ مسلمانان ہند کا ہر جگہ یہی حال ہے۔ جیسا کہ ایک ہندوستانی اخبار نے لکھا ہے

"یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ سات سال سے مسلمانان ہند اقتصادی میدان سے پسپا ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی قابل ذکر تجارتیں ختم ہو چکی ہیں۔ ان کی گھریلو دستکاریوں پر زوال آ چکا ہے ان کی جائیدادیں صرف نام کی رہ گئی ہیں۔ ان کی وہ قابلیتیں بھی بے وزن ہو چکی ہیں جو سرکاری ملازمتوں میں ان کے لئے خضر راہ بن سکیں۔ پورے ملک کا جائزہ لے کر دیکھئے تو پتہ چلے کہ تعمیرات میں مسلمانوں کا حصہ صفر کے برابر رہ گیا ہے۔ ٹھیکوں کی فہرست میں ان کا نام مشکل ہی سے دکھائی دے گا۔ حتیٰ کہ قلیوں اور مزدوروں میں بھی ان کا تناسب برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ غرض ہندوستان کے مسلمان اب اس قابل نظر نہیں آتے کہ ملک کی معاشی تحریکات میں اپنا واجبی فرض ادا کر سکیں۔ (الجمعیۃ۔ دہلی)

یہی اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ کانگریس کے لئے یہ بہترین موقعہ تھا کہ اس کے کارکن مسلمانوں کے گھروں پر پہونچتے اور ان سے رابطہ پیدا کر کے انھیں اپنی طرف مائل کرتے اور کچھ ان کی سنتے اور کچھ اپنی سناتے۔۔۔۔ (مگر) غضب یہ ہے کہ خود کانگریسی کارکنوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان کانگریس کا عہدہ حاصل نہ کر سکے"۔ اس شکایت کے بعد کہا گیا ہے کہ "ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ مسلمانان ہند اپنے معاشی مستقبل پر غور و فکر کرنے کے لئے کوئی اجتماعی قدم اٹھائیں۔ اور یہ سوچ کر اٹھائیں کہ جو کچھ کرنا ہے انہی کو کرنا ہے"۔

یہ حقائق بڑے تلخ ہیں۔ اور ان کے پیش نظر واقعی ضرورت ہے کہ مسلمان ان کو بدلنے کے لئے مل جل کر کوشش کریں۔

ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں مسلمانوں کی منتشر آبادی کا اپنے لئے جداگانہ معاشی منصوبہ بندی کرنا محال نہیں تو بہت دشوار ضرور ہے بالخصوص اس لئے کہ حکومت وقت کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی کرنا تو ایک طرف انھیں طرح طرح سے پریشان کیا جا رہا ہو۔ ان حالات میں یہ غنیمت ہے کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے کہ اپنے مسائل کو انھیں خود ہی حل کرنا ہوگا اگر اس احساس کو عملی شکل دینے کے لئے اجتماعی کوشش کی جائے اور ملکی قوانین کے مطابق حکومت سے اپنے حقوق منوانے کے لئے باقاعدہ جد و جہد کی جائے تو مسلمان اپنے لئے مناسب مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ ابھی تک مسلمانوں کو ایسی قیادت میسر نہیں آسکی جو اس جد و جہد کی علمبردار ہو سکے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی تک ان کے قدم نہیں جم سکے۔

حکومت کی طرف سے مسلمانوں سے کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ تازہ مثال سے لگایا جا سکتا ہے۔ آسام میں آسام آئل کمپنی کے سینکڑوں مسلمان ملازم بے کار ہو گئے ہیں۔ کیونکہ حکومت آسام نے ان کے ویزوں میں توسیع نہیں کی ان کی ملازمت کا سلسلہ کوئی وقتی یا عارضی نہیں تھا بلکہ اکثر و بیشتر مسلمان برسوں سے کمپنی کے ملازم چلے آ رہے تھے۔ یہ واضح رہے کہ آسام سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی پالیسی ایک عرصے سے یعنی تقسیم سے بہت پہلے سے چل رہی ہے۔ یہ نیا اقدام اس وقت کیا گیا ہے جب ہندوستان والے شور مچا رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان سے ہندو بھاگ بھاگ کر آ رہے ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ جاری ہے۔ حالانکہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو وہاں سے زبردستی نکالا نہیں جا رہا۔ (یہ ہندو کیوں آ رہے۔ اس کی تفصیل طلوع اسلام میں آ چکی ہے) ہمیں افسوس ہے کہ حکومت پاکستان ہندوستانی پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر بڑی نیازمندی سے ناکردہ گناہ کی تلافی کے لئے تیار ہو جاتی ہے اور ہندوستان کو اس کی آنکھ کا شہتیر تک دکھانے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ ان دنوں جب دونوں ممالک کے درمیان سفر کی آسانیاں پیدا کرنے اور ویزا کی پابندیاں کم کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ حکومت آسام کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے جسے حکومتی سطح پر حل کرنا چاہیئے۔

بزم طلوع اسلام

لاہور بزم طلوع اسلام لاہور ایک عرصے سے قائم ہے۔ اس کے ہفتہ وار اجتماعات ہر جمعہ کو نماز کے بعد طلوع القرآن (متصل دیال سنگھ کالج نسبت روڈ) میں منعقد ہوتے ہیں۔ اور ان میں قرآنی پیغام اور حالات حاضرہ پر تبادلہ خیالات کیا جاتا ہے۔ گذشتہ دو ہفتے موضوع بحث تعدد ازدواج رہا۔ اور اس پر متعدد حضرات نے اظہار خیال کیا۔

بزم کی طرف سے طلوع اسلام لائبریری بھی قائم کر دی گئی ہے۔ جو ۴۴ نسبت روڈ پر واقع ہے۔ مقامی حضرات ہر قسم کی معلومات کے لئے ڈاکٹر احمد حسن صاحب ۴۴ نسبت روڈ سے رجوع کریں۔

بزم سے طلوع اسلام کا پرچہ اور اس کی مطبوعات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔

گولیمار۔ کراچی محمد لیٰسین صاحب، ترجمان بزم طلوع اسلام گولیمار اطلاع دیتے ہیں کہ ۱۰ر رمضان کو حلقہ گولیمار کی بزم کا افتتاح ہو گیا ہے۔ بزم کا اجتماع ہر جمعہ کو بعد مغرب عرفان احمد فاروقی صاحب کے مکان نمبر ۱۳۳/۲۳ گولیمار کوارٹرز میں ہوا کرے گا۔ اس مکان میں دار المطالعہ بھی قائم کر دیا گیا ہے اس میں مطبوعات طلوع اسلام اور رسالے کے کچھ پرچے مطالعے کے لئے رکھ دیئے گئے ہیں۔

لیاری کوارٹرز کراچی نو آباد لیاری کوارٹرز میں باہمت قارئین نے بزم طلوع اسلام قائم کر لی ہے۔ بزم کے ترجمان سید بچل شاہ صاحب ہیں۔ ان سے مجاز مو تل نو آباد کراچی نمبر ۲ کے پتہ پر رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ بزم مناسب جگہ کی تلاش میں ہے۔ جگہ میسر آنے پر لائبریری کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور سرگرمیوں میں توسیع کی جائے گی۔

وزیر اعظم سے خطاب

(صفحہ ۶ سے آگے)

بنگال کو اپنا صوبہ کہا تھا اور بڑی ڈھٹائی سے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ بنگالی ہونے کی حیثیت سے مجبور ہیں کہ وہ بنگالیوں کے اس مطالبہ کی تائید کریں کہ پاکستان کی قومی زبان بنگالی بھی ہو خود ایسی ذہنیت رکھتے ہوئے بھی وزیر اعظم صاحب تعجب سے پوچھا کرتے ہیں کہ ملک میں صوبائیت کا زہر کیوں پھیلتا جا رہا ہے!

ہم نے محض بطور مشتے نمونہ یہ چند چیزیں مختصراً پیش کی ہیں۔ ہمیں اس سے وزیر اعظم کا ذاتی استخفاف منظور نہیں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صرف وہی غیر محتاط و غیر معتدل باتیں کرتے ہیں۔ ہمارے ارباب سیاست بالعموم بات کرنے سے پہلے مطلقاً اپنے الفاظ کو نہیں جانچتے۔ وہ منہ آئی کہہ جاتے ہیں اور ملک میں انتشار و پراگندگی پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا ہم توقع کریں کہ کم از کم ہمارے وزیر اعظم محتاط گفتگو کی مثال قائم کریں گے؛ نہ صرف محتاط گفتگو کی بلکہ قرآن کے الفاظ میں قول سدید کی۔ یعنی جو بات کہی جائے۔ صاف واضح، غیر مبہم، سیدھی اور دو ٹوک ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی راز ایسا ہے۔ جس کا افشا قبل از وقت ہے تو اس کی بابت صاف کہہ دینا چاہیئے کہ یہ بات ابھی صیغۂ راز میں رہے گی۔

نوادرات

علامہ اسلم جیراجپوری کے مضامین کا نادر مجموعہ

قیمت:- چار روپے

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس روپے* کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح ۔ ۔ ۔

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

* طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
* حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
* رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
* مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
* پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
* پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

روٹی کا مسئلہ

انسان کے لئے بڑی اھمیت رکھتا ہے۔ اس کی اھمیت ھمیشہ سے رھی ہے اور ھمیشہ تک رھیگی۔
آج تک انسان نے اس مسئلہ کو کیسے حل کیا؟ اس کا جواب تلاش کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائیگی کہ اس نے بدن کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی جان کو رھن رکھ دیا۔

اب سوال یہ ھے

کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسان کا بدن اور اسکی جان دونوں سلامت رھیں؟ اس کے لئے ھمیں قرآن سے رجوع کرنا ھوگا۔

قرآن کا حل

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

میں ملیگا جو بلا شبہ دور حاضرہ کی عظیم کتاب ہے

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف ڈسٹ کور کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM